شرط

عفت موہانی

ایک دلچسپ معاشرتی ناول

شرط
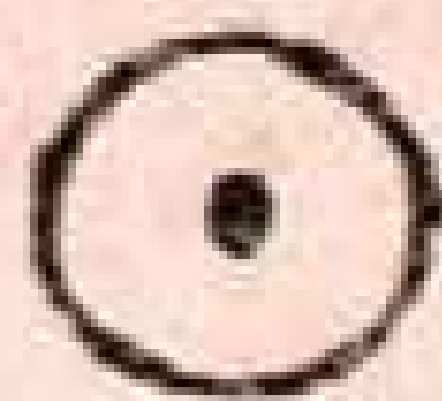
مصنفہ

عفت موہانی

قیمت

ناشر
نسیم بک ڈپو۔ لاٹوش روڈ لکھنؤ
آفس :- ۲۴۵۵۹
ٹیلیفون رہائش :- ۴۵۳۳۴

نسیم انہونوی نے نامی پریس لکھنؤ میں چھپوا کر شائع کیا
دسمبر سنہ ۱۹۸۱ء

رات اس نے بڑا بھیانک خواب دیکھا تھا۔ اور وحشت کے مارے پھر باقی رات اس نے آنکھوں میں کاٹ دی تھی۔ اس رات کو ستارے بھی بہت ٹوٹے تھے۔ تاریکی بھی زیادہ تھی۔ نہ جانے کیسی اندھیری سحر کی یہ پُر ہول رات تھی!۔ صبح کو وہ پریشان اور اداس تھی۔ روزمرّہ کے کاموں میں اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ بڑی کاہلی سے اس نے ماموں ابا کے لئے وضو کا پانی گرم کیا تھا اور پھر ناشتہ تیار کرنے لگی تھی۔ یہ سب کچھ اسی کے ذمہ تھا۔ ماموں ابا سویرے ہی اپنی دکان پر چلے جاتے۔ ممانی اماں بیمار رہتی تھیں۔ ان سے کوئی کام نہ ہوتا اور سارہ کالج جاتی تھی۔! افضال بھلا اس کا ہاتھ بٹانے کہاں آتے؟۔ اسی لئے وہ آنکھ کھلتے ہی کچن کا رخ کرتی۔ لیکن آج اس کا دل نجانے کیوں ڈوبا جا رہا تھا۔! بار بار رونا سا آیا جا رہا تھا۔ اگر امی ابا زندہ ہوتے تو شاید سکھ کی کوئی سانس نصیب ہوتی۔ اب تو حالات کی چکی میں وہ حقیر دانے کی طرح پسی جا رہی تھی۔ ممانی اماں کو اس پر ذرہ برابر ترس نہ آتا۔ ماموں ابا بیوی کی زبان سے بولتے تھے۔ دونوں ابھی

سے اسے اپنی بہو سمجھتے تھے اور اسی لئے یہ ذمہ داری اسی کی تھی کہ وہ
سارا گھر سنبھالتی اور اف بھی نہ کرتی!۔ اس کی ماموں زاد بہن سارہ
بے شک اس کی ہر ممکن مدد کرتی تھی۔ لیکن وہ بھی کالج جاتی تھی۔ اور یہ روحی
کو خود بھی پسند نہ تھا کہ وہ اسے اپنے ساتھ الجھائے۔ لہٰذا سارا کام روحی
پر ہی پڑ جاتا تھا۔

اس نے جلدی جلدی روٹیاں پکائیں اور آملیٹ کے لئے انڈے
پھینٹ رہی تھی کہ دالان سے ایک عجیب کربناک شور اٹھا۔ بکر اس کے
ہاتھ سے چھوٹ گیا وہ ادھر دوڑی۔

عجیب منظر تھا۔

ماموں ابا تخت پر سر تھامے بیٹھے دکھائی دئے۔ ممانی اماں دہاڑیں
مار رہی تھیں۔ سارہ سسکیاں لے رہی تھی۔ اور افضال ٹیلیگرام کا مخصوص
کاغذ ہاتھ میں لئے دم بخود کھڑے تھے۔!

کیا ہوا؟۔ اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

ہائے روحی، بھائی جان گزر گئے!۔ سارہ بلک اٹھی۔

بھائی جان گزر گئے"۔ روحی کے لب ہلے۔ دوسرے لمحے اسے ساری
دنیا چکراتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس نے خلا میں کسی چیز کا سہارا لینے کی
کوشش کی اور دھڑام سے فرش پر آ رہی۔ آہ و بکا نالہ و شیون کا
شور کہیں ڈوب گیا۔!

صدیوں بعد اسے ہوش آیا۔ اب تو دنیا ہی اجڑ چکی تھی۔ آس و
نراش کے تانے بانے بکھر چکے تھے۔ وہ خود کو مردہ سمجھ رہی تھی۔ ازلی بدنصیب

پیدائشی منحوس ۔ ماں باپ تھے نہیں ۔ ماموں ممانی نے سہارا دیا تھا ۔ اور اسے اپنے بڑے بیٹے اقبال احمد سے منسوب کر دیا تھا ۔ کوئی دو ماہ پہلے اس کی منگنی ہوئی تھی ۔ ممانی اماں مصر تھیں کہ شادی بھی تبھی کر دی جائے لیکن اقبال احمد راضی نہیں ہوئے ۔ تلاش روزگار میں وہ ملک سے دور اپنے ایک دوست کے پاس جا رہے تھے ۔ جنھوں نے ملازمت کا وعدہ کیا تھا ۔ راہ میں ان کے طیارے کو حادثہ پیش آگیا ۔ سارے مسافرین ہلاک اور زخمی ہو گئے ۔!

لاش گھر نہ آسکی ۔ کچھ سن گن روحی نے سن لی تھی ۔ سب کا خیال تھا کہ اقبال احمد ہلوکین میں شامل نہ تھے ۔ کیونکہ ہلوکین کی فہرست میں ان کا نام نہ تھا ۔ گھر والوں کو امید تھی کہ شاید وہ کہیں ہسپتال میں زیر علاج ہوں اچھے ہونے کے بعد گھر واپس آجائیں گے ۔!

روحی اس امید و یقین پر صدق دل سے ایمان لے آئی ۔ اقبال احمد ابھی نہیں مر سکتے ۔ اتنے زندہ دل ، خوش مزاج ، ہنس مکھ اور زندگی سے بھرپور انسان کو ایسی آسانی سے صیاد اجل اپنا لقمہ نہیں بنا سکتا ۔ وہ کہیں نہ کہیں ضرور ہیں ۔!

ماموں ابا اور افضال وغیرہ نے اس حادثہ کو تقدیر الٰہی سمجھ کر صبر کر لیا لیکن ممانی اماں اور روحینہ کو صبر نہ تھا ۔ ممانی اماں یوں ہی بیمار رہتی تھیں اور روحینہ پر بدحواسی اور پاگل پن کے دورے پڑنے لگے ۔ وہ راتوں کو چیخ چیخ اٹھتی ۔ دروازے کی طرف دوڑتی ۔ اسے غیر مرئی ہاتھ دستک دیتے سنائی دیتے ۔ اور وہ بلبلا اٹھتی ۔

"وہ زندہ ہیں۔ گھر واپس آگئے ہیں۔ کھول دو، دروازے۔ وہ اندر آجائیں۔ مجھے ان کے پاس جانے دو"

افضال احمد نے صدر دروازے پر بڑا سا قفل ڈالنا شروع کر دیا۔ ہفتہ بھر بعد الٰہ آباد سے اقبال احمد کے ایک دوست پروفیسر شجیع الرحمٰن کے پاس سے ایک تفصیلی خط آیا۔ جس میں نہایت واضح طور پر تحریر تھا کہ اقبال احمد کی نعش ملبہ میں نہ مل سکی۔ لہٰذا انھیں توقع ہے کہ وہ زندہ ہیں اور کسی بڑے اسپتال میں دوسرے زخمیوں کے ساتھ زیر علاج ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ صحت ہونے کے بعد کچھ اپنے بارے میں تحریر کریں یا پھر گھر واپس چلے جائیں۔

ممانی اماں کے آنسوؤں کی روانی کچھ تھم گئی۔ اب وہ دروازے کی طرف نگاہیں لگائے رکھتیں۔ وہ ان کا بڑا ہونہار بیٹا تھا۔ تعلیم یافتہ سمجھدار، نوجوان، ان کے بڑھاپے کا سہارا ـــ وہ یہ باور کرنے پر تیار نہ تھیں کہ اتنی جلدی انھیں موت آسکتی ہے۔

رحبینہ نے پروفیسر شجیع الرحمٰن کا خط اپنے پاس رکھ لیا۔ اور اس پر نظر دوڑاتی۔ روزانہ اسے ایک نئی امید بندھ جاتی۔ آہستہ آہستہ دن گزرتے جا رہے تھے۔ اور آہستہ آہستہ ان دونوں کی امیدیں زیادہ بھڑک رہی تھیں۔

رحبینہ کا جی چاہتا تھا کہ وہ سب سے چھپا کر ایک خط پروفیسر شجیع کو لکھے اور ان سے پوچھے کہ اقبال احمد سچ مچ زندہ ہیں کہ ـــ مگر پھر وہ ڈر جاتی۔ نجانے جواب میں پروفیسر صاحب کیا لکھ دیں گے۔ اگر وہ

خط یہاں کسی کے ہاتھ میں پڑ گیا تو پھر۔ اس نے بڑی منّت سے سارہ سے کہا تھا۔!

"تم ایک تفصیلی خط یہ دفتیر صاحب کو لکھو۔ ان سے درخواست کرو کہ وہ ہمیں سارے حالات سے آگاہ کر دیں" وہ گڑ گڑائی۔ مجھے شرم آتی ہے میری حیثیت دوسری ہے۔ تم تو ان کی سگی بہن ہو۔"

سارہ نے بڑی بے چارگی سے کہا۔ کیا لکھوں۔ رہ جی۔ وہ غیر آدمی ہیں کیا سوچیں گے۔ اب تم اللہ پر نگاہ رکھو بہن۔ بھائی جان کو آنا ہو گا۔ تو وہ گھر کا راستہ تو نہیں بھول جائیں گے۔ اور اگر نہ آنا ہو گا تو پھر جیسی خدا کی مرضی۔!"

گھر کا بکھرا ہوا شیرازہ آہستہ آہستہ پھر اکٹھا ہونا شروع ہوا۔ ماموں ابا کی تو کمر ہی ٹوٹ چکی تھی۔ لیکن وہ مرتے کھپتے کسی طرح اپنی کپڑوں کی دوکان پر جا بیٹھتے تھے۔ سارہ نے کالج کی آرجار شروع کی۔ اشفاق احمد پھر کالج جانے لگے۔ اور ممانی اماں۔ انھوں نے عجیب وطیرہ اپنا لیا محلہ کی پرسہ دینے والی خواتین کے آگے رحیمہ کی نحوست اور بد قدمی کا ڈھنڈورا پیٹنے لگیں۔ ایک ایک سے اس کی برائی کیا کرتیں۔ اتنی منحوس اور نامبارک تھی کہ ان کے بیٹے سے منسوب ہوئی اور بیٹے کو ختم ہی کر کے دم لیا۔

ماموں ابا نے ایک دفعہ بیوی کو ٹوکا۔ اس طرح مت کہا کرو۔ خدا کو برا لگے گا۔ موت و حیات سب منجانب اللہ ہے۔ کوئی کسی کی وجہ سے نہیں مرتا۔ وہ بیچاری غم نصیب آپ دکھیا ہے تم کو بجائے اس

گے سمجھتی ہے۔ تم اس طرح اس کا جگر چھلنی کر دو گی تو اسے تسلیاں کون دے گا۔ سینے سے کون لگائے گا۔!

"ہائے جسے میں نے دکھ سہہ کے پیدا کیا تھا۔ سینے پر لٹا کر پالا تھا۔ اسی کو میں جنم جلی رد کے بیٹھ گئی تو اور اپنے عزیزوں کو سینے سے کیوں لگاؤں گی۔ آپ کی بہن کی اولاد ہے۔ آپ تسلیاں دیجئے۔ اس کے آنسو پونچھیے مگر مجھے تو اس کی صورت سے نفرت ہے۔ اب دیکھیے وہ ہم میں سے کس کو ڈکارتی ہے"۔ ممانی اماں جواب میں بولیں۔

اماں۔ وہ سن رہی ہو گی۔ ساجدہ بولی۔

سنا کرے" ممانی اماں اب کی بار اور بلند آواز میں بولیں" میں اسے سناؤں گی۔ وہ میرے سامنے نہ آیا کرے۔ مجھے اس سے جتنی محبت تھی اب اتنی ہی نفرت ہو گئی ہے۔"!

روحینہ کو بھی اپنے وجود سے نفرت ہو چکی تھی۔ کس کام کی تھی یہ بیکار کی زندگی۔ گھن چکر۔ آرام کا ایک پل نصیب نہ تھا۔ خدمت گذاری کے عوض جہاں گھڑکیاں انعام میں ملتی تھیں۔

اس نے اپنی ذات اپنے کمرے اور کچن تک محدود کر لی۔ اسے امید نہ تھی کہ ممانی اماں اس طرح دیدے پھیر لیں گی"۔

اب اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ بڑے بھیا وطن سے بڑی دور ریاض میں تھے۔ دو سال پہلے قسمت آزمائی کے لئے گئے تھے۔ تب سے ادھر ہی کے ہو کر رہ گئے تھے۔ انھیں جب یہ خبر پہونچائی گئی تھی کہ اقبال احمد سے روحینہ کا رشتہ کر دیا گیا ہے تو انھوں نے بہت جلد

بیاہ کے اخراجات کے لئے ردحینہ کے نام پر پچاس ہزار روپیہ بھجوا دیا تھا۔ جو اسی کے نام پر بینک میں رکھا تھا اور بس۔ مدتوں میں وہ کبھی ایک آدھ خط لکھتے تھے۔ انھیں اقبال احمد کے حادثہ کی اطلاع بھجوائی گئی تھی لیکن انھوں نے تعزیت کے دو حرف بھی نہیں لکھے۔ ردحینہ انکی طرف سے مایوس ہو چکی تھی۔ بہن بھائی کے درمیان چاندی کی دیوار اٹھ گئی تھی۔ روپیہ کا جہاں معاملہ آجاتا ہے وہاں اپنے بھی غیر ہوجاتے ہیں۔

انسان کی زندگی کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ جب کوئی مقصد ہی نہ رہے تو پھر آدمی جینے کے لئے کون سا بہانہ ڈھونڈے۔ ردحینہ کی زندگی کی تمام دلچسپیاں اقبال احمد اپنے ساتھ لیتے گئے تھے۔ جن کی صرف سہانی یادیں باقی تھی وہ کابوس کے بیمار کی طرح اپنے دن گزار رہی تھی۔ صرف ایک امید کے سہارے پر شاید اقبال احمد چلے آئیں۔ بقول سارہ کے وہ گھر کا راستہ تو نہیں بھول جائیں گے۔ مگر اسے بے حد صدمہ تھا۔ وہ جہاں کہیں بھی تھے۔ ایک خط تو لکھ ہی سکتے تھے۔ کیا انھوں نے دل سے اپنی ردحی کی یاد کھرچ پھینکی تھی۔ وہ ردحی جس کے ساتھ انھوں نے جینے مرنے کے عہد کئے تھے۔ اگر وہ اکیلے ہی مر گئے تھے تو ردحی کیوں زندہ تھی۔ اس کی محبت کھوکھلی اسی کے عہد و پیمان زبانی اس کی قسمیں جھوٹی تو نہ تھیں! وہ اپنے خیالوں کے بھنور میں چکراتی روز بروز پاگل

بنتی گئی! سارا دن گھر کے کام کاج میں کٹ جاتا۔ اور رات یادوں کا خزانہ لیئے آجاتی۔ تکیہ پر سر رکھتے ہی ذہن کے دریچے کھلنے لگتے۔ پھر اقبال احمد کے تصور سے باتیں کرتے ہی کرتے نجانے کب سحر ہو جاتی۔

ماموں ابا اور ممانی اماں اس کی ہستی فراموش کر چکے تھے۔ جب اقبال احمد ہی نہ رہے تو پھر ان کی منگیتر کس مصرف کی تھی۔ اس کی حیثیت ایک خادمہ سے بڑھ کر نہ تھی! اگر اس ہجوم ناکساں میں کوئی اس کا اپنا تھا تو وہ سارہ تھی۔ بے حد ہمدرد اور نیک لڑکی تھی۔ ردحینہ کے غم کو سمجھتی تھی۔ اور ردحینہ کو بھی سارہ کی ذات کا بڑا سہارا تھا۔

پھر ردحینہ نے محسوس کیا کہ افضال احمد بھی اس پر مہربان ہونے لگے ہیں اب وہ کبھی کبھی اس کی خیریت پوچھ لیتے تھے۔ اور وہ پہلے والے رشتے سے اس کے دیور کہلاتے تھے۔ اس لئے ردحینہ نے بھی کچھ غلط مطلب نہ نکالا لیکن وہ بار بار موقع تلاش کر کے اس کے کمرے میں آنے لگے تب اس کا ماتھا ٹھنکا! ایسے وقتوں میں وہ آتے جب سارہ گھر پر نہ ہوتی! اور بزرگ لوگ بھی ادھر ادھر ہوا کرتے تھے! ایک دن وہ تنہائی میں اس کے پاس آگئے تب اسے بے حد ناگوار گزرا۔ لباس برابر کرتی وہ سیدھی ہو بیٹھی۔ اس کے تیوروں سے انھوں نے اس کی برہمی کا پتہ چلا لیا مگر انجان ہو کے بولے

تم نے تو مستقل جوگ ہی لے لیا ہے ردحی۔ بڑے بڑے غم وقت کے سیل رواں میں بہہ گئے ہیں۔ اب تم بھی کچھ دل کو سنبھالو۔ خواہ مخواہ کیوں زندگی میں گھن لگا رہی ہو۔! کچھ باہر نکلو اگھو مو پھرو۔ سارہ تمہارے ساتھ نہیں رہتی کیا؟"

روحینہ نے بے رخی سے جواب دیا "رہتی کیوں نہیں۔ اسے فرصت
کہاں ملتی ہے؟"۔
ارے بھئی تم پسند نہیں کرتیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ کبھی میرے ساتھ باہر
گھومنے پھرنے چلو"۔
"آپ کے ساتھ؟"۔
ہاں کسی کو کیا پتہ چلے گا؟۔ افضال کے منہ سے بے اختیار نکلا۔
آپ سمجھتے ہیں نا کہ آپ کے ساتھ گھومنا پھرنا معیوب بات ہے؟
لوگ سمجھنے لگتے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا!۔
میں بھی سمجھتی ہوں"۔
بڑی دقیانوسی معلوم ہوتی ہو۔!
جو کچھ بھی کہیے۔
لیکن مجھے یہ بھی تو اچھا نہیں لگتا۔ تم تو خود کو بیوہ سمجھتی ہو۔ یہ حقیقت
تو نہیں ہے۔ روحی۔!"
جب حقیقت نہیں ہے تو پھر میں خود کو بیوہ کیوں سمجھوں۔ آپ کے
بھائی کے توسط سے میرا ناطہ آپ سے بڑا ہو گیا ہے۔!" وہ بڑے طنز سے
بولی
بھائی جان کا ناطہ ان کے ساتھ گیا" افضال نے کہا۔
" ایسا مت کہیئے۔ میں کبھی انھیں مرحوم نہیں کہوں گی جب تک کہ انھیں
دوسرے حال میں نہ دیکھ لوں!"
میں تو انھیں مردہ ہی کہوں گا۔" افضال نے کہا "جب ان کی لاش

نہیں ملی۔ وہ زخمیوں میں بھی نہیں ملے تو پھر کیا ہوئے۔؟"

اس کا مطلب یہی ہوا کہ وہ کہیں نہ کہیں ضرور موجود ہیں۔ ایک نہ ایک دن آ ہی جائیں گے!" روحینہ نے جواب دیا۔ اور افضال احمد نے اس کی آنکھوں میں ایقان کی چمک دیکھی۔ ایک نامکمل سانس ان کے سینے سے نکلی۔ جب تک یہ پاگل راہ راست پر نہ آئے گی۔ اس کا کچھ کہنا سننا بیکار ہے۔ وہ اپنے دل میں نجانے کیا منصوبہ باندھے بیٹھے تھے!۔ اس کے حسن کے قصیدے چھیڑ دیے۔ روحی یوں بیٹھی رہی جیسے حواس خمسہ ہی سے عاری ہو۔ افضال کچھ جھینپ گئے مگر حوصلہ نہ ہارا بولے۔

"تم شام کو تیار رہنا۔ ہم کہیں باہر چلیں گے۔ یہ بہت ضروری ہے ورنہ تمھاری صحت کو گھن لگ جائے گا۔"

"لگا کرے۔ افضال بھائی۔ اب صحت کی فکر کسے ہے۔ میں تو جان بوجھ کر زندگی مٹی میں ملا رہی ہوں۔ کس مصرف کی ہے۔"

"واہ بھئی۔ کوئی مرنے والوں کے ساتھ نہیں مرتا۔ تمھیں اپنی صحت کی فکر نہ ہو۔ ہمیں تو ہے۔ کیا فائدہ اس طرح جلنے کڑھنے سے۔ اب مرنے والے واپس تو نہیں آئیں گے!۔"

کون مرنے والے" روحی یکبارگی آپے سے باہر ہو گئی "آپ بار بار کسے مرنے والے کہہ رہے ہیں۔ کیا آپ نے ان کی لاش دیکھی ہے۔ ان کے جنازے کو کندھا دیا ہے۔ ان کی قبر پر پھول چڑھائے ہیں؟۔ آپ کو کیسے یقین آ گیا ہے کہ وہ مر چکے ہیں۔؟

"دنیا کہتی ہے۔" افضال احمد حیران رہ گئے۔

"دنیا تو کہتی ہی رہتی ہے۔ مگر خدا نے ہمیں بھی تو ہوش عطا کیا ہے۔
ہم اندھا دھند بکواس پر کیوں یقین کر لیں۔"

"تو تمھیں امید ہے کہ بھائی صاحب لوٹ آئیں گے۔!"

"اگر میری قسمت پر خدا کو رحم آ گیا تو ضرور آئیں گے۔"

"اور اگر ایسا نہ ہو سکا تو پھر۔"

"تو پھر۔ ساری زندگی بیوہ اپنے مرحوم شوہر کے نام پر گزار دیتی ہے۔"

"تم بیوہ ہوئیں تو نہیں؟"

"خدا وہ دن نہ دکھائے۔"

"آخر اب تم نے اپنی زندگی کا نصب العین کیا بنایا ہے؟۔ اس طرح
کب تک چلتا رہے گا۔؟"

"اب کیا ہوا ہے مجھے۔ آپ سب کی خدمت میں یوں ہی کاٹ دوں گی
باقی کی رہی سہی بھی۔!"

"پھر کبھی شادی نہیں کرو گی۔!"

"کبھی نہیں!" "شادی کیسی۔ اگر وہ آ گئے تب۔ ان کو دکھانے کے لئے
میری کوئی صورت بھی رہ جائے گی۔؟"

"اب یہ خیال خام ہے روحینہ۔" افضال کو اس کے خبط پر غصہ آنے
لگا۔ "تم زندہ رہنے کا کوئی پروگرام بناؤ۔ اس طرح تو کام نہیں چلے گا"

"آپ کی بلا سے!" وہ بگڑ گئی۔

"روحی تم نے نہیں سوچا کہ آخر میں یہ سب کچھ کیوں کہہ رہا ہوں۔؟"

میں نہیں سمجھی۔!

سوچو روحی۔ آخر ہم ہی کیا برے ہیں۔ تم کسی نہ کسی طرح اسی گھر کی بہو بنتیں۔ نہ سہی بھائی جان۔ ان ہی کا تو میں بھی بھائی ہوں۔"

روحی پھٹی پھٹی آنکھوں سے انھیں دیکھنے لگی۔ اور اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ پہلی بار اس آدمی کو دیکھ رہی ہو۔ پہلے ان کے چہرے پر ایسی ہی محبت کی پرچھائیاں کانپتی تھیں جیسے حقیقی بھائی کے چہرے پر چھوٹی بہن کی محبت میں ہوا کرتی ہیں۔ لیکن اب۔ وہاں۔ جذبات کے الاؤ سے بھڑک اٹھے تھے۔ وہ جذبات بھی مخلصانہ اور پاکیزہ نہ تھے۔ کچھ ہوس بھی کچھ نفسانیت۔ ان کا چہرہ اجنبی سا تھا۔! روحینہ نے نظریں جھکا لیں۔! افضال احمد زیر لب مسکرا رہے تھے۔

تم اپنے فیصلے پر ایک بار پھر سوچو۔ روحی۔ تمھاری زندگی بڑی قیمتی ہے۔ اس لئے نہیں کہ وہ ضائع کر دی جائے۔ ابا میاں اور اماں کو تمھاری بڑی فکر ہے۔ وہ ہرگز تمھارے خیال کو قبول نہ کریں گے اگر تمھارا پیغام باہر سے آئے گا۔ تو وہ فوراً منظور کر لیں گے۔ تمھارے کہیں باہر بیاہ کر جانے سے یہ بہتر ہے کہ تم گھر ہی کی بہو بن کر آرام سے بسر کرو۔ اماں کے سامنے سارہ کا مسئلہ بھی تو ہے۔ وہ ماں باپ سکھ کی نیند نہیں سو سکتے جن کے سامنے دو دو جوان بیٹیاں ہوں۔؟"

روحینہ پر فکروں نے اپنے پنکھ پھیلا دیئے۔ افضال احمد سب کچھ صحیح کہہ رہے تھے۔ پھر اس پر اس کی نیندیں حرام ہو گئیں۔ کیا ہو گا اگر بھائی اماں نے کوئی پیغام باہر سے منگوا لیا۔ ان کا سلوک اسے ان دنوں

بالکل مخاصمانہ لگ رہا تھا۔ اس سے مخاطب نہیں ہوتی تھیں۔ اس کی شکل نہیں دیکھتی تھیں۔ ان حالات میں وہ تو یہی چاہیں گی کہ جلد از جلد وہ گھر سے دفع ہو جائے۔

میرے آگے کنواں ہے پیچھے کھائی۔ اس کے شب و روز کا چین چھن کھونے لگا۔ اور وہ گھر کے حبس میں قید تھی۔ نجات کی کوئی راہ اس کے سامنے کھلی نہ تھا۔ اب تو اور زیادہ پاگل اور مبہوت رہنے لگی۔

بس ایک سارہ ہی ہمدردی سے پیش آتی تھی۔ اس کی دلدہی پر رد حینہ پھوٹ پڑی۔

"مجھے کہیں سے زہر لا دو۔ سارہ۔ اب میں زندہ رہنا نہیں چاہتی۔ موت آجائے مجھے بھی۔" اس نے کہا اور من وعن اپنی بپتا کہہ سنائی۔

سارہ دم بخود رہ گئی۔ اسے اپنے بھائی سے بھی اس درجہ کمینگی کی توقع نہ تھی۔ اقبال احمد تو بے حد شریف النفس، وسیع النظر اور بلند خیال آدمی تھے۔ انھیں جلد مرنا تھا۔ تبھی تو دنیا بھر کی خوبیاں ان میں سمو گئی تھیں۔ لیکن افضال احمد بڑے سفلہ پرست نکلے۔ مجبوروں کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا شرافت سے بعید بات تھی۔!

"تم کہیں چلی کیوں نہ جاؤ۔" سارہ نے رد حینہ کو مشورہ دیا۔ "یہاں رہو گی تو ضرور تمھیں بھیا کی بھینٹ چڑھا دیا جائے گا۔ اماں ان کی ہر بات کو بے چون وچرا مان لیتی ہیں۔"

"میں کہاں جاؤں سارہ۔ میرا ہے ہی کون؟" رد حینہ سسک اٹھی۔ "گھر کے باہر تو ان گنت بھیڑیئے منہ کھولے موجود ہیں۔ مجھے کون پناہ دے گا

تو پھر بھیا ہی کے قدموں پر سر جھکا دو۔ مجبوری کا نام صبر"
تمھارے بھیا نے" ان" کی موت کی ابھی تک تصدیق نہیں کروائی۔؟
کروائی۔!" سارہ بولی۔ کہیں سے کوئی جواب نہ ملا۔
تو میں بھی صبر کر لوں؟"
سارہ نے اسے عجیب نظروں سے دیکھا۔ اور کچھ نہ بولی۔
ودھینہ پھر اسی طرح بڑبڑانے لگی جیسے بدحواس آدمی۔ گرد و پیش سے بے خبر اپنی دھن میں بڑبڑاتے ہیں۔
تم نے ادریس بھائی کو سارے حالات سے مطلع کیا تھا کہ نہیں؟" سارہ نے پوچھا۔
ادریس احمد ودھینہ کے بڑے بھائی تھے۔ وہ ڈھائی سال سے انھوں نے خلیجی ملک ریاض میں ڈیرہ جمایا تھا۔ اور بھولے سے بھی اپنی بہن کو یاد نہیں کرتے تھے۔ ان کے تذکرے پر ودھینہ کی آنکھیں بھر آئیں۔
سارے حالات لکھ بھیجے تھے۔ لیکن تم نے بھی تو دیکھا کہ بھائی جان نے تعزیت کے دو حرف نہیں لکھے۔ بھائی جان نے میرے کفن دفن کے لئے روپیہ بھجوا دیا۔ بس۔ اب ان کو میرے اچھے برے سے کیا مطلب رہا زندہ رہوں تو اپنے لئے۔ مروں تو اپنے لئے۔
بات بات پر رونا دھونا اچھی بات نہیں۔ ودی۔" سارہ بولی۔ آنسو اپنے ساتھ رہی سہی ہمت کو بھی بہالے جاتے ہیں۔ اگر تھیں حالات کا مقابلہ کرنا ہے تو آنسو پونچھ لو۔
کیا کروں۔؟

بھیا کو سختی سے منع کر دو۔ تمھارے پاس نہ آیا کریں۔

" وہ گھر کے مالک ہیں۔ سارہ۔ میری ایسی مجال نہیں۔!"

تو پھر میں اماں سے کہوں کہ وہ تمھیں بھی کالج میں داخلہ دلوا دیں —

تمھارا بی۔ اے کا ایک سال رہ گیا تھا۔ اسے مکمل کر لو۔

نہیں سارہ۔ اب پڑھنے میں میرا دل نہیں لگتا۔!

" تو پھر تمھیں سوچ رہی کہ آخر تم کیا کرو گی۔"

میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ تم اس گھر سے کہیں دور چلی جاؤ۔" سارہ بولی۔

کہیں نہیں جا سکتی۔!" روحینہ نے سر ہلایا۔" میرا کوئی نہیں۔ جو مجھے پناہ دے سکے۔!

دونوں پھر چپ ہو گئیں۔ روحینہ نجانے کیا سوچ رہی تھی۔ لیکن سارہ سوچ رہی تھی کہ ایک نو شگفتہ پھول کو بد رو کے پاؤں تلے پامال نہیں ہونا چاہئیے۔ افضال سے شادی کا مطلب یہ تھا کہ روحی زندگی کی آخری سانسوں تک گرہستی کی چکی میں پستی رہے۔ ان کی ناز برداری کرے ان کے بچے پیدا کرے۔ ساری عمر خدمت کرے اور پھر مر جائے —

افضال احمد کے پاس سے شرافت، ہمدردی اور مروت نہیں گزری تھی اب وہ دوسرا پانسہ پھینکنے والے تھے۔ ماموں اباں کی کپڑوں کی چھوٹی موٹی دوکان تھی۔ اب اس پر زوال آنے لگا تھا۔ افضال احمد نے دوکان سے دلچسپی لینی چھوڑ دی تھی۔ وہ تین دفعہ بی۔ اے میں فیل ہوئے تھے اور پڑھائی کے نام سے الجھنے لگے۔ لہٰذا ان کا پروگرام یہ تھا کہ وہ اگر روحینہ سے شادی کر لیں تو اس کے نام سے جمع شدہ پچاس ہزار

روپئے فی الفور نقد ہاتھ آئیں گے۔ اس رقم سے کوئی نفع بخش کاروبار
شروع ہو سکتا تھا۔ روپیہ دکان کو آگے بڑھا سکتا تھا۔ بہرحال
یہ روپیہ بہت کام آ سکتا تھا۔ جس پر فی الحال روحینہ کا قبضہ تھا۔
اسے تو شاید روپیہ یاد بھی نہ تھا۔ لیکن اب سب کو یہ روپیہ چبھنے لگا
تھا۔!

ممانی اماں جس انداز سے ماموں ابا کے کان بھر رہی تھیں۔ اس کا
نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بھی اپنی بھانجی کو منحوس نامبارک، اور سبز قدم سمجھنے لگے
اس کی شکل سے انھیں بھی الجھن ہونے لگی۔ وہ پہاڑ بن کر ان کے
سینے پر آ گری۔ کیا ہو گا اس کا حشر۔ ابھی سارہ بھی تو سامنے ہے۔!

اماں آپ کو دل لینے کے طریقے معلوم نہیں ہیں"۔ افضال نے اپنی ماں
کو سمجھایا۔ آپ روحی کو لعن طعن کر کے اسے اپنے سے دور کر رہی ہیں۔ یہ
اچھی بات نہیں۔ وہ تو آپ کے حالات بدل سکتی ہے!"۔

بدل تو دئے حالات۔ کھا گئی میرے پہاڑ ایسے بیٹے کو"۔ اماں بولیں
اب اس بات کو بار بار مت دہرایئے اماں"۔ افضال نے کہا۔
تو پھر کیا کروں۔ کہہ دوں اس کچھلی پائی سے کہ آؤ آؤ۔ میرے سر پر
آرام کرو"۔

ماموں ابا نہایت ناگوار انداز میں ماں بیٹے کی گفتگو سن رہے تھے
انھوں نے دخل دیا۔ بھائی تم تو یہ سوچو کہ وہ بہرحال میرے مرحوم
بہنوئی اور بہن کی بچی ہے۔

مجھے کیا کرنا ہے"۔ اماں نے نفرت انگیز پیرائے میں کہا۔ "میں نے

کہہ دیا کہ اس سے مجھے نفرت ہو گئی ہے۔"

"آپ کو مصلحت سے کام لینا چاہیے۔ اماں۔" افضال نے کہا پھر سر جھکا کر بولے۔" یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ فی الحال گھر کی گاڑی گھسٹ رہی ہے۔ ابا کی دوکان کی جان نکل رہی ہے۔ میں کہیں ملازم نہیں ہوں۔ آخر یہ فرسودہ زندگی حالات کب تک رہیں گے ؟"

"تو پھر میں کیا کروں ؟" وہ کچھ حیران ہو کر بولیں۔

"آپ اپنی باتوں سے اپنے سلوک سے ایسا ماحول پیدا کیجیے کہ وہ پہلے کی طرح آپ کی بہو بن سکے۔" افضال نے کہا۔

ماموں ابا سنبھل کر بیٹھ گئے۔ ممانی اماں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"اس کے نام نصف لاکھ روپیہ جمع ہے۔" افضال احمد نے کہا۔" اگر اس کی شادی بھیا سے ہو جاتی تو وہ روپیہ انھیں کو ملتا۔ اب وہ صورت حال نہیں رہی۔ روپیہ بینک میں پڑا سڑ رہا ہے۔ اگر وہ روحی کے ذریعہ مجھے یا آپ کو مل سکتا ہے تو پھر کسی ترکیب یا مصلحت سے لے کیوں نہ لیا جائے۔؟"

"کاہے کے لئے دینے لگی۔" ممانی اماں نے کہا۔

"دے دے گی۔ اگر ۔ مجھ سے اس کا نکاح ۔۔!" افضال احمد نے کہا۔

"ہماری تو وہ بہو تھی ہی۔" ماموں ابان نے پیشانی پر چمکتے داغ سجدہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑے پرنور لہجے میں کہا۔" اگر اقبال میاں زندہ ہوتے

تو اب تک شادی ہو بھی چکتی۔ اللہ کی مرضی وہ نہیں تھی تو نہ سہی۔ ہم یقیناً اسے افضال سے بیاہ دیں گے۔ ماشاءاللہ۔ حیثیت تو روحی بی بی کی جو تھی وہی برقرار رہے گی۔

مانے گی وہ" ممانی اماں نے پوچھا۔

ابا میاں پوچھیں گے" افضال نے کہا" شائد اس وقت انکار نہ کرے"

"ہمیں پیسوں کی ایسی ضرورت نہیں" ماموں ابا بولے" رزق کا دینے والا خداوند کریم ہے۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ روحینہ بی بی کا مستقبل بنے اور ان کے دل پر چھایا ہوا غبار دور ہو سکے۔"

اے ہاں۔ یتیموں کے سر پہ ہاتھ رکھنے سے اللہ بہت خوش ہوتا ہے۔ ممانی اماں نے کہا۔

وہ سب ٹھیک ہے" افضال نے کہا" مگر فی الحال آپ اس سے اپنا برتاؤ ٹھیک کیجئے۔ اسے بدقدم، منحوس، نامبارک وغیرہ مت کہا کیجئے۔

وہ چپ ہو گئیں۔

اور ماں بیٹے کے درمیان طے ہونے والے پروگرام کے تحت ممانی اماں نے اپنا سلوک بدل دیا۔ لیکن روحینہ اتنی پاگل بھی نہ تھی جو اچانک ان کے برتاؤ کی وجہ نہ سمجھتی۔ یہ اسے خیال نہ آیا کہ اس کے روپے کے حصول کے لیے اسے چارہ بنایا جا رہا تھا۔ بس وہ دل ہی دل میں تمسخرانہ انداز میں ہنستی تھی۔ انسان بھی تھالی کے بینگن ہیں کبھی ادھر کبھی ادھر

اسے چھچھورا پن پسند نہ تھا! ۔ مگر تب بھی وہ منہ سے کچھ نہ بولی ۔ وہ تو امکان بھر اپنے نام نہاد بزرگوں کے سامنے ہی نہیں نکلتی تھی ۔ !

افضال احمد اسے اپنی ملکیت سمجھنے لگے ۔ اب جان بوجھ کر اس کے لئے چھوٹے موٹے تحفے لاتے ۔ اس کی خیر خیریت پوچھتے ۔ اور کوشش کرتے کہ وہ اپنے خیالات سے پیچھا چھڑا کران کی طرف راغب ہو سکے روحی کے کان کھڑے ہوئے ۔

سارہ اپنے ماں باپ کی راز دار نہ تھی ۔ ان لوگوں کو بخوبی علم تھا کہ سارہ ان کے بھید کھول سکتی تھی ۔ کیونکہ اکثر اس نے روحی کی طرف داری میں سب کی جھڑکیاں کھائی تھیں ۔ وہ بس مسرور تھی کہ اس کے والدین روحی سے پھر سے راضی ہو گئے تھے ۔!

روحینہ کے دل سے افضال احمد کا خوف نہ نکلا ۔ وہ ان کی رومانی گفتگو سے الرجک تھی ۔ ایک دفعہ انھوں نے اس کے خوف میں اپنے بیباک سلوک سے مہر لگا دی ۔ ! برسات کی ایک شام تھی ۔ پانی یکساں آہنگ سے پھوار کی شکل میں برس رہا تھا! ۔ موسم بڑا ناگوار تھا ۔ ہر طرف کیچڑ تھی ۔ سرد ہوائیں چل رہی تھیں ۔ آسمان گہرے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا ۔ ماموں ابا ابھی دکان سے واپس نہیں آئے تھے ۔ ممانی اماں بوسیدہ سی فرد اوڑھے بیٹھی کسی ہمسائی سے گھر کے ناقابل گرفت بجٹ کا رونا رو رہی تھیں ۔ سارہ نزلہ سے پریشان اپنے کمرے میں سو رہی تھی اور روحینہ کام سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں آ بیٹھی تھی ۔ موسم کی ناگواری کا اثر اس کے دل پر بھی بہت ہو رہا تھا ۔ ! اس نے دروازہ بھیڑ دیا اور پلنگ پر

آلیٹی۔ پھر یادوں کے جھکڑ اسے جہان دگر میں اڑا لے گئے۔ کچھ ہی دیر بعد وہ دنیا مافیہا سے بے خبر ہوگئی۔ آنکھیں بند تھیں اور وہ تصورات کی دنیا میں اقبال کے ساتھ گلگشت کر رہی تھی۔ دروازہ بڑی آہستگی سے کھلا۔ افضال نے کمرے کی دھندلی فضا میں دیکھا وہ بے ترتیب سی اپنے بستر پر لیٹی تھی۔ آنکھیں بند۔ لب نیم وا۔ سرمئی دھند میں اس کا چہرہ نمایاں تھا۔ جیسے اس پر کسی نے ابرک کا برادہ چھڑک دیا ہو۔ افضال نے آگے بڑھ کر اس کی ٹھنڈی پیشانی پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ ایک اجنبی گرم لمس نے روحینہ کے بدن میں آگ سی بھڑکا دی۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور اپنے اوپر جھکے ہوئے مردانہ ہیولے کو دیکھ کر ایک گھٹی ہوئی چیخ اس کے منھ سے نکل گئی۔ پھر وہ لباس برابر کرتی جلدی اٹھ بیٹھی۔! اور وحشت بھری نظروں سے انھیں تکنے لگی!۔ افضال کے لبوں پر ناقابل فہم سی مسکراہٹ تھی۔

"آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟" ہانپتی ہوئی سانسوں کو بمشکل قابو میں کر کے اس نے پوچھا۔ اور پلنگ کے دوسرے سرے تک کھسک گئی

"ارے!" وہ بھی خود کو قابو میں کر کے بے ڈھنگے پن سے ہنسے۔ "اگر میں یہاں آگیا تو اس میں تمھارے اس قدر ڈرنے کی کیا بات ہے۔ کیا میرا یہاں آنا کوئی جرم ہے؟" وہ کرسی پر ٹک گئے۔

"خدا کے لیے آپ یہاں سے جائیے۔ روحینہ گھگھیائی۔ "کوئی دیکھ لے گا تو میرا کیا حشر ہوگا۔؟"

"اب یہ بے معنی خوف دل سے نکال دو روحی" افضال نے کہا

اول تو تم ہم کوئی غیر نہیں۔ اور شاید تمھیں نہیں معلوم۔ اب ہم میں کوئی اور رشتہ ہو رہا ہے۔ سچ کہو۔ کیا تم مجھے پسند نہیں کرتیں۔؟"

"میں کچھ نہیں جانتی۔ آپ میرے کمرے سے چلے جائیے۔!"

"اچھا۔" وہ ہنسے۔ "میں چلا جاؤں تمھارے کمرے سے۔ تم میں اتنی ہمت ہے کہ تم مجھے اس طرح نکال سکو۔ ارے۔ میں تو موقعہ ڈھونڈ کر تمھارے پاس آیا ہوں۔ تمھیں جی بھر کے دیکھ نہیں لیتا۔ تم سے باتیں نہیں کر لیتا تو یقین کرو کہ میرا کہیں دل ہی نہیں لگتا۔ آؤ۔ روحی۔ میرے پاس آؤ۔ کیا تمھیں اندازہ نہیں کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔!"

وہ اٹھ کر اس کے پلنگ پر جا بیٹھے اور دفعتہً ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی اپنے فولادی پنجہ میں جکڑ لی۔ روحی کو ایسا لگا۔ جیسے اس کی طاقت پانی بن کر بہنے لگی ہو۔ اس خنک موسم میں بھی اس کا سارا جسم پسینے میں بھیگ گیا۔ حلق میں کانٹے سے پڑ گئے اور وہ منھ سے آواز تک نہ نکال سکی افضال نے اس کی اس بدترین کیفیت سے دوسرا مفہوم نکالا۔ اب ان کا سلوک کچھ اور کہنے لگا تھا۔ تیز و تند سانسوں سے ان کا سینہ متلاطم تھا۔ آنکھوں میں سرخی ابھرنے لگی تھی۔ انھوں نے کلیوں کے ہار کی طرح اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ وہ نیم بے ہوش سی ان کی آغوش میں آ رہی۔ افضال بے قابو ہو کر اس کے چہرے پر گرے اور تبھی دروازے کے پاس سارہ کی آواز آئی۔

"روحی۔ ابا میاں آ گئے ہیں۔ چائے مانگ رہے ہیں۔ مجھے تو اس زکام نے کسی کام کا نہیں رکھا۔

دفعتہً افضال نے بے جان گٹھڑی کی طرح اسے دور ڈھکیلا اور چوروں کی طرح کھڑکی سے برآمدے میں کود گئے۔ سارہ نے کمرے میں آنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ ایک آواز اور دے کر چلی گئی!۔ اور تب روحی کو آہستہ آہستہ ہوش آیا۔ ہوش کیا آیا۔ رہے سہے ہوش بھی اڑنے لگے۔ نہ وہ باہر نکلی نہ اس نے چائے بنائی۔ وہ تو کھڑ کھڑ کانپ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ اگر سارہ کی غیبی آواز نہ آتی تو کیا ہوتا؟۔ اس سوال کے جواب میں ایک بھیانک صورت حال اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ یہ دہشت نامناسب بھی نہیں تھا۔۔ آج نہ سہی کل سہی۔ افضال کی نفسانیت اسے کبھی بے داغ نہیں چھوڑے گی۔!تو پھر۔

اس کے آگے بڑا گہرا دھند لکا تھا۔

ساری راہیں مسدود تھیں۔

وہ کیا کرے۔ کہاں جائے۔!

میرے اللہ۔ اس کے آنسو خشک تھے۔ رہ رہ کے ایک مضبوط گرفت اسے اپنے جسم کے گرد محسوس ہوتی اور از سر تو وہ لرزہ براندام ہو جاتی

اس رات۔ اس نے دروازہ اور کھڑکیاں مضبوطی سے بند کر دئیے مگر اسے دھڑکا لگا رہا۔ افضال ہوا کی طرح کسی دراز سے اندر نہ گھس آئیں۔ رات کا کوئی وقت تھا جب اس نے اپنے کمرے کے باہر قدموں کی بھاری چاپ سنی۔ ایک ہلکی سی دستک کھڑکی پر ہوئی۔! وہ دم سادھے آنکھیں پھاڑے مردوں کی طرح بے حرکت پلنگ پر پڑی رہی۔

دو لمحوں بعد آہٹیں دروازے پر سنائی دیں۔ انگوٹھا بجا۔ اور ایک بھرّائی ہوئی آواز نے پکارا" روحی۔ روحینہ۔ اتنی گہری نیند سو رہی ہو۔ دروازہ کھولو۔ روحی۔ روحی۔!"

لیکن اس کی تو سانسیں تک بند تھیں۔! وہ جوں کی توں لیٹی رہی۔ بار بار دروازہ بجا۔ افضال دروازے کے سامنے ٹہلتے رہے۔ یا در بوجھل وقت ایک جگہ ٹھہرا رہا۔

نجانے کب صبح ہوئی۔

اس کے لئے ایک تاریک صبح۔ اب تو کوئی مستقبل ہی نہ رہا تھا۔ یا تو خاموشی سے افضال کی ہو جانا تھا۔ یا پھر۔ فرار۔ مگر کوئی راستہ اس کے سامنے کھلا ہوا نہ تھا۔ اب وہ مردوں سے بدتر ہو رہی تھی۔! اسے گھر سے بھاگ جانا گوارہ لگ رہا تھا۔ لیکن افضال کے تصور سے کراہیت ہو رہی تھی۔ اسے گمان تک نہ تھا۔ افضال اس قدر گرے ہوئے تھے!۔ اس نے انھیں ہمیشہ بھائی کا درجہ دیا تھا۔ مگر ان کے دل میں لبریز غلاظت کا روحی کو پتہ نہ تھا۔! اپنے شکستہ تصورات پر اسے رونا آ رہا تھا۔! پھر اس نے سسک سسک کر سارے حالات سارہ کے آگے رکھ دئے۔ وہی ایک ہمدرد تھی۔

اپنی دانست میں ممانی اماں نے افضال و روحی کے بیاہ کی بات

پکی کر دی تھی۔ ان میں طے ہوا تھا کہ بس ایک مبارک جمعہ کو انھیں نکاح کے بندھن میں باندھ دیا جائے گا۔ ماموں ابا نے ایک شام اپنی دوکان کا سارا اثاثہ بیوی کے سامنے لا کے ڈھیر کر دیا۔ اور بولے۔

"بس کل پونجی یہی تھی جو ہم لے آئے ہیں۔ دوکان میں تالا پڑ گیا ہے اس کی سانس تو اب ٹوٹی ہی سمجھو۔ چھ ماہ سے کرایہ ادا نہیں ہوا۔ مالک بس لکڑی کے ڈھانچے قرق کرائے گا۔ اس کے بعد فاقے ہیں۔!

مگر یہ کپڑے آپ لے کیوں آئے ابا میاں۔ سارہ نے پوچھا۔

بی بی۔ ان کے کچھ ملبوسات ماشاء اللہ رضی بی بی کے تیار ہو جائیں گے انھوں نے داڑھی پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

کیوں۔ ؟ رضی کے کیوں۔ میرے کیوں نہیں۔ پھر سارہ نے پوچھا۔ ہاں ہاں تم بھی اپنے لیئے لے لو۔ جو پسند آئے ہنسے ؛ لیکن ان کے لیے تو ماشاء اللہ عروسی لباس تیار ہو گا۔"

ماموں ابا۔ اپنی گفتگو میں عربی بہت بولتے تھے۔

عروسی لباس۔ کیا رضی کی شادی ہو رہی ہے۔ ابا میاں" سارہ چہک کر بولی۔ آپ نے ہمیں خبر تک نہ کی۔ کہاں ہو رہی ہے۔ کب ہو رہی ہے۔

ایک گہری یا ہیٹین سانس ماموں ابا کے گلے سے نکلی" کیا تمھاری والدہ نے تمھیں نہیں بتایا۔ ؟"

نہیں تو۔" دل ہی دل میں کھولتی ہوئی سارہ نے بظاہر سادگی سے کہا

انشاء اللہ۔ اب کی دوشنبہ کو افضال میاں کے ساتھ۔" انھوں نے

جواب دیا: "اقبال میاں نے ناگہانی ساتھ چھوڑا۔ آخر کو وہ ہماری ہو بھی "

آپ نے ردحینہ سے بھی پوچھا۔؟" سارہ بولی۔

ماموں ابا کے جیسے بچھو نے ڈنک چبھو دیا۔ "استغفراللہ۔ ان سے کیا پوچھنا ہے۔ بشریف بچیاں کہیں اپنے منہ سے شادی بیاہ کی باتیں کرتی ہیں۔

مگر وہ تو کہتی ہے کہ ابھی بھائی جان کہیں نہ کہیں زندہ موجود ہیں۔ سارہ نے بڑی مشکل سے اپنا طیش ضبط کیا۔

کاش ایسا ہوتا!" ماموں ابا نے جواب دیا۔

بڑوں کے بیچ میں تم کاہے کے لیے "ٹائیں ٹائیں" کر رہی ہو" ممانی اماں نے اچانک اسے للکارا

میں تو کہتا ہوں۔ اماں۔ اس کا کالج جانا بند کیجیے۔" افضال نے بھی زبان کھولی۔" آوارہ چھوکریوں کے ساتھ رہتے رہتے اس کا دیدہ بھی بہت ہوائی ہو گیا ہے۔!"

میرا منہ نہ کھلواؤ بھیا۔ سارہ خوفناک لہجے میں بولی۔ تمہارے کرتوتوں کا بھی مجھے علم ہے۔!"

افضال کا چہرہ سرخ ہو گیا وہ دوسری طرف دیکھنے لگے۔ انھیں ردحی پر سخت غصہ آیا۔ کیا اس احمق چھوکری نے سارہ سے سب کچھ کہہ دیا تھا۔ عجیب پاگل تھی۔ ابھی اسی رات کو انھوں نے بڑے چپکے سے ہمسائے باورچی کی جوان لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کمرے میں کھینچ لیا تھا۔ وہ بھی آخر

اسی عمر کی تھی۔ مگر وہ نہ چیخی نہ چلائی۔ لیکن یہ مکار نام نہاد پارسا روحی۔ خیر۔ کتنی دیر ہے۔ اگر گن گن کے بدلے نہ لیے تو ان کا نام بھی افضال احمد نہیں۔ اٹھتے جوتی بیٹھتے لات۔ آخر اس نے انھیں سمجھا کیا تھا۔؟

وہ طیش کے مارے اٹھ کے چلے گئے!۔

ممانی اماں نے ناسمجھ صاحبزادی کو اونچ نیچ سمجھاتی رہیں کہ روحی سے افضال کا بیاہ ہوجائے گا تو انھیں کتنا نفع ہوگا۔ افضال اس کی حلق میں ہاتھ دے کر وہ روپیہ اگلوائیں گے جو ادیس احمد نے اس کے نام بھجوایا تھا۔ تبھی تو گھر کی گاڑی بڑھے گی۔ دوکان چلے گی۔ ذرا اچھے برے سب کی حلق بھیگے گی۔ اب تو مارے افلاس نیچے گاڑے کھڑا ہے۔

وہ زور خطابت کے جوش میں نہ کہنے والی باتیں بھی کہہ گئیں۔

سارہ کو بہت افسوس ہوا۔ یہ شادی صرف پچاس ہزار کی خاطر ہورہی تھی روحی ایک بدکردار شخص کی ہوس پر محض اس لیے قربان ہوگی کہ اس کے پلے میں ایک معقول رقم تھی۔ ورنہ کل تک وہ منحوس تھی۔ سبز قدم تھی آج اتنی مبارک کیسے ہوگئی۔ سارہ نے سوچا۔ ہرگز یہ قربانی نہ ہونے دے گی۔ اگر اس کے ماں باپ پر زوال آیا ہے تو اس کی ذمہ دار روحی کیونکر ہوسکتی ہے!۔ وہ چپ چاپ اٹھ گئی۔

اب اسے روحیہ پر بے پناہ ترس آرہا تھا۔

"اگر تم اسی طرح ہونٹوں پر تالے ڈالے رہیں تو پھر بھیا کی قربان گاہ پر چڑھادی جاؤ گی۔ اب ہمت کرو۔ بچاؤ کی سوچو۔ ورنہ پھر جیسی

تمہاری مرضی۔ تم آخر کہو گی کہ سگی بہن اپنے بھائی کی مخالف کیوں ہے؟
نہیں نہیں۔" بھولی بھالی۔ روحینہ گڑگڑائی۔" میں تمہاری محبت
کے صدقے۔ میری سارہ۔ بتاؤ۔ میں کیا کروں۔"
تم بھیا کو پسند نہیں کرتیں؟؟"
تمہارے بھائی ہیں۔ میں اپنے منہ سے کیا کہوں۔ پسند ناپسند کی بات
ہی نہیں۔ مگر میں انھیں "مرحوم" ہی نہیں سمجھتی۔ اگر ان سے شادی ہونے
کے بعد اچانک وہ پھر چلے آئے تو پھر کیا ہوگا۔ وہ کیا کہیں گے کہ روحی
نے مجھ سے عہد و پیمان کئے تھے۔ ساتھ مرنے جینے کی قسمیں کھائی تھیں
وہی روحی اتنی بے صبر نکلی کہ میرے چھوٹے بھائی سے شادی کرلی۔ کچھ
روز اور میرا انتظار نہ کیا۔ تمھیں بتاؤ سارہ۔ اگر میری جگہ تم ہوتیں
تم یہاں سے چلی جاؤ۔ روحی!۔
کہاں چلی جاؤں۔ ہمیشہ تم یہی ایک راہ سجھاتی ہو۔
بھائی جان کے ان دوست کے پاس۔ جن کے پاس بھائی جان
جا رہے تھے۔ میں تو انھیں پہچانتی ہوں۔ ایک دفعہ بھائی جان کے
ساتھ ہمارے گھر آئے تھے اور شاید دو تین دن یہاں رہے بھی تھے۔
بھائی جان نے انھیں واپس الٰہ آباد جانے نہیں دیا تھا۔"
"میں نے ان کا نام سنا تھا۔ ادیس بھائی بھی تو ان کے دوست
تھے۔ لیکن میں نے آج تک انھیں نہیں دیکھا۔ اور پھر۔ وہ کیا سوچیں
گے۔" روحی بولی۔
تم ایک تفصیلی خط ادیس بھائی کو پھر لکھ دو۔" سارہ نے اسے مشورہ

دیا۔" ممکن ہے کہ تمھارا پچھلا خط انھیں ملا نہ ہو۔!

خط پوسٹ کون کرے گا۔؟" روحی اب بھی بارود کے ڈھیر پر کھڑی تھی۔ بیم ورجا کی لہروں میں ہچکولے کھاتی ہوئی۔

میں تو کالج جاتی ہی ہوں۔ پوسٹ کردوں گی۔" سارہ نے کہا۔ وہ بےحد نڈر دلیر اور بیباک تھی۔ بےضمیر ماں باپ کی بڑی بیدار ضمیر بیٹی تھی۔ ناحق شناسی پر اسے بےحد غصہ آتا تھا۔ جبیسی کرنی ویسی بھرنی کسی اور کا خمیازہ کوئی ناکردہ کار کیوں بھگتے؟۔ وہ روحی کو ہمت دلاتی رہی۔ اسے اتنا ابھارا کہ وہ بالآخر ایک خطرناک قدم اٹھانے پر آمادہ ہوگئی۔ ہرچہ بادا باد۔ اس قیدخانہ سے تو فی الحال نجات ملے گی۔ اقبال احمد کی زبانی اس نے کئی پروفیسر شجیع الرحمٰن کی تعریف ان کا تذکرہ سنا تھا۔یا

گھر میں شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ممانی اماں نے کئی دفعہ روحی کو سینے سے لگا کر اس کی پیشانی چومی تھی۔ اسے دعائیں دی تھیں۔ روحی سب سمجھتی تھی۔ مگر خاموش تھی۔ بیاہ کا دن قریب آرہا تھا۔ تقریباً ساری تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں سارہ کو حجلہ عروسی کے سجانے کا حکم مل چکا تھا۔ اب روحی نے اپنے کمرے سے باہر نکلنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ اندیشوں کے سمندر میں گھری تھی۔ سارہ اسے بڑھاوا دے رہی تھی لیکن اس کا دل بیٹھا جاتا تھا۔ کیا ہوگا۔ اگر وہ گھر سے چل دی۔ ماموں ابا کی ناک کٹ جائیگی ممانی اماں برے برے کوسنے دیں گی۔ اور پھر۔ سب سے بڑا خطرہ پروفیسر صاحب کا تھا۔ مانا کہ وہ بڑے شریف آدمی ہیں۔ لیکن۔ کیا ان کی شرافت سے روحی کا سابقہ بھی پڑا تھا۔ شرافت دوستوں کی حد تک تھی۔ یہ تو

عورت تھی۔ اور بڑے سے بڑا شریف بھی عورت کے معاملہ میں شرافت ہاتھ
سے دے دیتا ہے۔ کیا ایک غیر شخص کے پاس پناہ لینا دانشمندی ہے
وہ خود کیا سوچیں گے۔

پھر اسے اپنے ماحول کی گھٹن کا خیال آتا۔ افضال احمد کی حد سے
بڑھی ہوئی سخت گیری۔ ان کا برہم لہجہ۔ ان کی غضب آلود شخصیت اور
ہمافی اماں کا مسلسل ظلم و جبر۔ ہو سکتا ہے کہ ادھر اسے کبھی نہ کبھی نجات
ملے۔ مگر ادھر سے نجات حشر تک ناممکن ہے۔ اگر وہ افضال احمد سے
بیاہ دی گئی۔ قیامت تک اسی قفس میں رہنا اور سسکنا ہے۔

دوسرے روز بیاہ تھا۔!

افضال احمد اپنے ایک جگری دوست کو اپنے ہمراہ لانے کے لئے دوسرے
ضلع پر چلے گئے تھے۔ روحی نے سوچا کہ یہ غیبی مدد ملی ہے اگر وہ موجود ہوتے
تو شاید وہ گھر سے باہر ہی نہ نکل سکتی۔ سارہ نگرانی کرتی رہی تھی۔ دن بھر کے
جب بوڑھے لوگ سو گئے۔ اور محلے کی اونگھتی ہوئی عورتیں ڈھولک پر
ریں ریں کرنے لگیں۔ تب سارہ نے روحی کا چھوٹا سا سوٹ کیس اسے تھما
دیا۔ اور گلی کے آخری سرے تک چھوڑ آئی۔ وہ برقعہ میں پوشیدہ تھی۔
شادی کے گھر میں مسلسل برقعہ پوش خواتین آجا رہی تھیں کسی کو گمان
تک نہ گزرا۔ اس برقعہ میں دلہن فرار ہو گئی تھی۔

سارہ کو اپنے آپ کو قابو میں کرنا بہت دشوار تھا۔ اس نے ایک بڑا
خطرناک رسک لیا تھا۔ اور اب اس کی جان بھوں پر آ رہی تھی کیا ہوگا
روحی کا حال۔ وہ بالکل معصوم بھولی بھالی تھی۔ اگر اتفاق سے اس کی

آبرو پر بن گئی تو اس کا اصلی ذمہ دار کون ہے۔ یہاں لاکھ اس پر ستم
ہوتے لیکن وہ محفوظ تو رہتی۔ لیکن ایک غیر آدمی کے گھر میں شب و روز
اس کا ساتھ روحی پر کوئی اجنبی آفت نہ لے آئے۔! دل کی بے پناہ
دھڑکنوں سے پریشان وہ اپنی ماں کے کمرے میں آ کر سوتی بن کے پڑ گئی
دلہن کے کمرے میں کوئی جاتا نہ تھا۔ گھر میں گنتی کے لوگ تھے رات تک
کسی کو کوئی خیال نہ آیا۔ البتہ دوسری صبح دس بجے انفال گھر آئے۔ تب
ممانی اماں دلہن کے کمرے سے بدحال پریشان نکلیں اور دالان میں
کھڑے ہو کر انھوں نے کانپتے لبوں سے اطلاع دی کہ دلہن گھر میں نہیں ہے
ماموں ابا یہ خبر سن کر گرجے تھے "تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو۔ ارے۔ وہ کہاں
جائے گی غسلخانہ اور باتھ روم میں دیکھو۔!

"کہیں نہیں ہے اب موریوں میں جھانکنا... باقی ہے۔" وہ بولیں۔

"سارہ۔؟" خونخوار آنکھوں سے اسے گھورتے ہوئے انفال چیخے۔
اس سے انھیں اندیشہ ہی لگا رہتا تھا۔

"کہاں جائے گی" وہ منہ بنا کر بولی۔ "کمرے میں حبس تھا۔ ا۔ سے
مانجھے کے بھاری کپڑے پہنا دئے تھے۔ برآمدے میں سو رہی ہو گی"

"دیکھ لیا وہاں بھی"۔ ممانی اماں سر تھام کر بیٹھ گئیں۔

سارہ روحی کے کمرے کی طرف دوڑی گئی پھر دو منٹ بعد وہ جگر خراش
آواز میں چیخی "اماں۔ اماں۔ سچ مچ روحی یہاں نہیں ہے۔"

"کہاں چلی گئی" ماموں ابا کے ہوش اڑے جا رہے تھے۔

انفال نے چھوٹا سا گھر چٹکی میں ڈال چھان ڈالا۔ اور آنے والے

خطرے کے پیش نظر دل تھام کر رہ گئے!۔ رات کو شادی تھی۔ مہمان آنیوالے
تھے ان سے کیا کہا جائے گا۔؟ اب کیا ہوگا۔ گھر بھر کو سانپ سونگھ گیا۔ سارہ
بے چاری بڑے درد سے رو رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ روحی کسی کنویں تالاب
میں جا گری ہے۔ ممانی اماں نیم جان تھیں۔ ماموں ابا کا حال ابتر تھا۔
شماتت ہمسایہ کا خیال انھیں مارے ڈال رہا تھا اور افضال بھوکے شیر کی
طرح دالان کی محدود وسعتوں میں ٹہل رہے تھے۔! ان کا کچھ بس نہیں چل
رہا تھا۔ پولیس میں اطلاع دیں تو بدنامی تھی۔ پوچھ گچھ کرنے کو کوئی جگہ ہی
نہ تھی۔! ان کے ذہن میں بگولے چکرا رہے تھے۔

سر شام ہی سے مہمان آنے لگے!۔ افضال باہر جا بیٹھے۔ اور ہر مہمان کو
یہ جواب پکڑانے لگے کہ "اچانک روحی پر قلب کا زبردست حملہ ہوا تھا
لہذا اسے اسپتال پہنچا دیا گیا۔"

بعض دردمند مہمانوں نے روحی سے ملنا چاہا تو۔ افضال کے پاس اس کا
جواب بھی موجود تھا۔

"ڈاکٹر صاحبان نے کسی کو اس کے پاس آنے جانے کی اجازت نہیں
دی ہے۔ حتیٰ کہ خود انھیں پاس رہنے کی اجازت نہیں ملی۔"

شادی کا گھر عزاخانہ بن گیا تھا۔

ماموں ابا پر سچ مچ دل کے دورے پڑنے لگے۔

ممانی اماں کے ہاتھ سے پچاس ہزار نقد چھن گئے۔

افضال احمد کا نطق مارے طیش کے سلب ہو چکا تھا۔

سارہ غریب "روتے روتے" نڈھال ہو چکی تھی۔

پھر ان سب پر ایک بھیانک۔ المناک اور حسرت انگیز شام غریباں اتر آئی۔ روحی کا کہیں پتہ نہ چل سکا۔!!

شام کا دھندلکا زمین پر اترنے لگا تھا۔ موسم بہت ناخوشگوار اور افسردہ تھا۔ آسمان پر گہرے بھورے بادل محیط تھے۔ پانی کی خوشبو سے لبریز بوجھل ہوائیں دلوں کو کپکپاتی چل رہی تھیں۔ عجیب محبوس سی پھوار نے ہر چیز کو نم کر رکھا تھا۔ فضا گیلی تھی۔ انسان گیلے۔ ایسے اداس موسم میں روحینہ الہ آباد کے اسٹیشن پر اتری۔ ہر آہٹ پر اس کا دل اچھل کر حلق میں آجاتا۔ اب تک اس نے ہر کام غلط کیا تھا۔ اپنے ٹکٹ کے دوگنے دام بھرے تھے۔ چیکر نے اسے مشکوک نگاہوں سے گھورا تھا۔ ہم سفر خواتین اس سے بیزار تھیں۔! بھوکی پیاسی وہ اپنے وجود سے بے خبر ایک کونے میں دبکی بیٹھی رہی تھی۔ اگر مسافروں میں الہ آباد اسٹیشن پر اترنے کا شور برپا نہ ہوتا تو وہ یونہی بیٹھی رہ جاتی۔

اور اب وہ بھاگم بھاگ گیٹ سے باہر نکلی!۔ ایک ٹیکسی کو اشارے سے پاس بلایا۔ اپنے پرس سے پروفیسر شجیع الرحمٰن کا پتہ نکال کر دیکھا اور ڈرائیور کو پتہ بتا کر پچھلی نشست پر ڈھیر ہو گئی۔ ایک بار پھر اس پر ہوشمندانہ بے ہوشی کا حملہ ہوا۔ یعنی وہ اپنے پورے ہوش و حواس میں تھی ہر حرکت کا ادراک کر رہی تھی مگر پھر بھی بیہوش تھی۔ ٹیکسی بھاگ رہی تھی۔ آس پاس سے بگولے نکلے جا رہے تھے۔ درخت۔ بجلی کے کھمبے۔ دوکانیں

کائنات اور انسان سب پیچھے بھاگ رہے تھے وہ آگے بھاگ رہی تھی۔

نہ جانے کہاں۔ نہ جانے کدھر۔ بے منزل مسافر۔

دیر بعد ٹیکسی ایک اعصاب شکن جھٹکے کے ساتھ رکی۔ اور روحی کے منہ

سے ایک چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔! وہ سیدھی ہو بیٹھی۔

کیا ہوا۔" اس نے ڈرائیور سے پوچھا۔

اس نے میٹر پر نظریں دوڑاتے ہوئے خشک لہجہ میں جواب دیا۔" پروفیسر

صاحب کا بنگلہ آگیا۔!

میرے اللہ رحم۔" روحی نے دل تھام لیا۔

بارہ روپے نوے پیسے۔ محترمہ۔!" ڈرائیور نے کہا۔ اور روحی کو ذرا

سی ڈھارس بندھی۔ اس نے پرس سے پندرہ روپئے نکالے اسکی طرف بڑھا

دئے۔ پھر باقی پیسے لئے بغیر پھاٹک کی طرف قدم بڑھا دئے!۔ پھاٹک

بند تھا۔ اور جالیوں میں سے نظر آرہا تھا کہ یہاں سے بیرونی برآمدہ تک

سب سناٹا پڑا تھا۔

ڈرائیور اس کے پاس آیا۔ یہ آپ کے باقی پیسے۔!"

یہاں تو کوئی نہیں دکھائی دیتا۔" وہ بولی۔

ڈرائیور نے مسکرا کر کہا۔" کال بل بجائیے۔ کوئی آجائے گا۔" اس نے خود

ہی گھنٹی بجا دی۔ روحی نے اطمینان کی سانس لی اور بولی۔ باقی پیسے رکھ لو۔"

اس نے زیر لب شاید شکریہ ادا کیا تھا۔ اور پھر ٹیکسی میں جا بیٹھا۔" روحی

نے دیکھا کہ گھنٹی کی آواز سن کر ایک لڑکا بھاگتا ہوا پھاٹک تک آیا تھا۔!

اس نے جھٹ کر بولٹ سرکایا۔ اور ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔" تشریف لائیے۔"

دھڑکتے دل سے روحی نے پوچھا" پروفیسر صاحب گھر پر ہیں"؟
جی ہاں۔ ابھی ابھی آئے ہیں" اس نے کہا" آیئے میں آپ کو اندر بٹھاتا ہوں" وہ اسے اپنے ساتھ لے گیا۔ اور ایک چھوٹے سے خوشنما ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا۔ وہ اس ہرنی کی طرح جس کے پیچھے شیر لگا ہو گھبرائے ہوئے انداز میں ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ دل کی بے پناہ دھڑکنوں کو قابو میں کرنا دشوار تھا۔ کیا کہے گی وہ۔ یہاں کس بھرم پر آئی تھی۔ وہی گھر محفوظ تھا سب اپنے جانے پہچانے تو تھے۔ مگر یہاں۔ اب تو واپس بھاگنا بھی ناممکن تھا۔ افضال احمد اسے زندہ دفن کر دیتے۔! اسے اپنے لمحہ بہ لمحہ خشک ہونے والے خون کی سنسناہٹ صاف سنائی دے رہی تھی۔ اور دل تو پہلے ہی کانوں میں بج رہا تھا۔!
پھر کہیں دور سے بھاری قدموں کی آہٹیں ابھریں۔ جو رفتہ رفتہ نزدیک تر ہوتی گئیں۔
دفعتہً پردہ سرکا۔ اور پروفیسر شجیع الرحمٰن نے دیوان خانہ میں قدم رکھے۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی!۔ اتنی دہشت زدہ تھی کہ سلام تک کرنے کا ہوش نہ تھا۔! ادھر پروفیسر صاحب بڑی حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے۔!
کون ہو سکتی ہے یہ پریشان اور گھبرائی ہوئی لڑکی۔ پھر وہ کھنکھارے اور بے حد نرم آواز میں بولے۔ آپ بیٹھ جایئے۔!
اور خود دور صوفہ پر ٹک گئے۔ روحی نے بھی کرسی سنبھالی۔
اب وہ منتظر تھے کہ روحی اپنا تعارف کرائے گی۔ ادھر روحی انتظار

کر رہی تھی کہ وہ کیا اس سے اس کا اتہ پتہ پوچھیں گے۔! جب اسی کشمکش میں دیر ہونے لگی۔ تب پروفیسر صاحب نے پھر کھانس کر اسے متوجہ کیا۔ وہ چونک کر انھیں دیکھنے لگی۔ اور بے حد معصومیت سے بولی۔

"کیا آپ نے مجھے نہیں پہچانا۔؟"

اور فوراً شرمندہ ہو گئی۔ وہ اسے کیا پہچانیں گے۔

مجھے افسوس ہے"۔ انھوں نے واقعی ندامت سے جواب دیا۔ اپنے ذہن پر زور دے رہا ہوں۔ لیکن۔ آپ اپنا کچھ تعارف کرائیے۔ کیا آپ اس سے پہلے بھی کبھی مجھ سے ملی ہیں۔!

جی نہیں۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "بس۔ میں نے آپ کی ایک تصویر دیکھی تھی۔! ان کے پاس۔!

کس کے پاس"۔ انھوں نے پوچھا۔

اقبال احمد کے پاس"۔ اس کی آواز رندھ گئی۔!

اقبال احمد"۔ پروفیسر کا لہجہ یکبارگی بجھ گیا۔ اس کے پاس آپ نے میری تصویر دیکھی تھی۔ جی ہاں۔ وہ میرا بے حد اچھا دوست تھا۔ مگر آپ۔ اوہ ٹھہریئے۔ مجھے اب یاد آ رہا ہے۔ آپ۔ محترمہ روحینہ تو نہیں ہیں۔ آپ کی بھی ایک تصویر ہی میں نے اس کے پاس دیکھی تھی۔" وہ ہولے سے ہنسے۔

"جی ہاں۔ میں روحی ہوں۔ اس نے کہا۔ اور اچانک رو پڑی۔

پروفیسر نے بدستور نرم آواز میں سمجھایا۔ "آپ رونے کیوں لگیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ آنسو کسی مصیبت کا حل ہیں۔ آنسو درد بڑھا دیتے ہیں۔ کسی دکھ کا

مداوا نہیں بن سکتے!۔ مجھے تفصیل سے بتائیے۔۔۔۔ شاید میں آپ کی کوئی خدمت کرسکوں"

آپ ماموں ابا کو تو جانتے ہوں گے!" اس نے آنسو پونچھ لئے۔

بہت اچھی طرح۔!

اور افضال احمد کو۔

"انھیں بھی۔ ان سب سے میرے دیرینہ مراسم ہیں۔!"

آپ ہی نے افضال بھائی کو خط میں یہ لکھا تھا کہ" وہ "حادثہ میں زخمی نہیں ہوئے۔! روحی سسکی۔ پروفیسر شیخ الرحمن نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور تب انھیں پتہ چلا۔ یہ گھبرائی اور پریشان سی لڑکی سچ مچ کتنی حسین تھی۔ سفید رنگت اور لمبی لمبی کالی پلکوں والی۔ سفید معمولی سے لباس میں وہ زیادہ دلکش لگ رہی تھی۔! انھوں نے غیر اہم لہجے میں جواب دیا۔

"ہاں۔ شاید۔ لکھا تو تھا میں نے افضال صاحب کو" پھر بولے:" لیکن میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا!"

اور تب روحی نے ان سے اپنی زندگی کی مختصر سی کہانی کہہ دی۔ وہ جو بے حد معصوم تھی۔ جسے بات کرنے کا ڈھنگ تک نہ آتا تھا۔ اس نے ان سے سب کچھ کہہ دیا۔ یہ تک کہہ دیا کہ۔ اسے اس اقدام پر سارہ نے ابھارا اور آمادہ کیا تھا۔ پروفیسر صاحب سب کچھ سنتے رہے اور خاموش بیٹھے رہے۔ پھر روحی نے آخر میں کہا۔

اب آپ نے اندازہ لگا لیا نا کہ وہ سب کیسا ظلم کر رہے تھے مجھ پر مجھے ایک نامناسب بات پر آمادہ کر رہے تھے لیکن کیا میں اتنی ہی بدعہد

اور بے وفا بھی جو اقبال صاحب سے کئے ہوئے سارے عہد و پیمان بھول جاتی اور کسی دوسرے کا ہاتھ تھام لیتی۔ پروفیسر صاحب۔ آپ کہئے نا کہ اگر پھر "وہ" اچانک آجاتے تو مجھ سے کیا کہتے میں انھیں کیا صورت دکھاتی اب تو میں ان سے کہہ سکتی ہوں کہ میں نے آپ کے ایک مخلص دوست کے پاس پناہ لی تھی۔ مگر تب کیا کہتی کیا صورت دکھاتی۔؟"

پروفیسر صاحب کی آنکھوں میں استعجاب و تحیر کی پرچھائیاں گہری ہو گئیں۔ انھوں نے کہا۔ "آپ نے بہت اچھا کیا۔ ہاں میں اقبال کا بہت مخلص دوست ہوں۔ لیکن۔ اگر کبھی افضال احمد کو پتہ چل گیا تو پھر کیا ہوگا۔؟

مجھے کیا معلوم۔ "روحی نے بے حد سادگی سے کہا۔" یہ سب آپ سوچ لیجئے۔ میں تو یہ سوچ رہی ہوں۔ کہ اب میں زمانے کی دستبرد سے محفوظ ہو گئی ہوں۔ آپ مجھے ضرور پناہ دیں گے۔ کسی سے کچھ نہ کہیں گے۔

وہ بھولپن سے مسکراتی ہوئی بہت اچھی لگی۔

اس کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کہ میں کسی سے کچھ کہوں گا۔" انھوں نے کہا۔ پھر بولے "خیر۔ آپ کے بچاؤ کی کوئی تدبیر بھی سمجھ میں آ ہی جائے گی۔ اب آپ اس گھر کو اپنا گھر سمجھئے۔ اور۔ بتائیے کہ۔ آپ کیا کھائیں گی۔؟"

"کچھ بھی نہیں۔" اس نے سر جھکا لیا۔

آپ فی الحال ہلکا پھلکا ناشتہ کیجئے۔ پھر رات کے کھانے پر باتیں ہوں گی تب تک آرام کیجئے۔!"

روحی نے ان کے حکم کی تعمیل کی۔ ناشتے کے بعد اس نے پوچھا۔

"آپ یہاں اکیلے رہتے ہیں۔ آپ کے بھائی بہن۔ اور۔ سب کوئی۔

مطلب یہ کہ۔ بیگم صاحب اور بچے۔

میں بتاتا ہوں۔" انھوں نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔" شاید تمھیں معلوم نہیں۔ میرے والدین عرصہ ہوا ختم ہو چکے۔ پرویز تنہائی کے خیال سے ہوسٹل ہی میں رہنے لگا ہے۔

رافعہ شوہر کے مرنے کے بعد سسرال ہی میں رہتی ہے۔ اور رہیں بیگم صاحبہ تو میں نے ابھی تک شادی ہی نہیں کی۔ لہذا بچوں کا بھی کوئی سوال نہیں ہے۔"

رافعہ کے شوہر مر گئے۔؟۔!۔ حیرت سے روحی نے پوچھا۔

ہاں۔ اب اس کا ایک ننھا سا بچہ ہے۔ اسے اس کی دادی اماں بہت چاہتی ہیں۔ اس لئے رافعہ بھی میرے پاس نہیں آتی۔!

"تو آپ اکیلے رہتے ہیں۔!"

ابھی تک رہتا تھا۔ اب نہیں رہوں گا۔!

میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

تم آگئی ہو۔ اکیلا پن ختم ہو چکا ہے۔ وہ بڑی متانت سے مسکرائے تھے مگر روحی کا دل دھڑک اٹھا۔

آؤ روحی۔ میں تمھیں وہ کمرہ دکھاؤں۔ جہاں تم آرام کروگی۔"

میں آپ پر بوجھ بن گئی ہوں"۔

ایسی کوئی بات نہیں۔!

وہ ان کے ساتھ چلتی ہوئی ایک کمرے میں آتی۔ شاید یہ ان کی بہن رافعہ کا کمرہ تھا۔ اس کی سجاوٹ سے یہی لگتا تھا۔

اب کچھ دیر آرام کرو۔ بہت پریشان ہوتی پھری ہو۔" انھوں نے کہا

پھر کچھ یاد کر کے بولے "اچھا سنو۔ ان تمام واقعات کی اطلاع تم نے ادیس کو بھی دی ہے کہ نہیں؟"

ایک تفصیلی خط لکھ کر سارہ کو دے آئی تھی۔ وہ پوسٹ کر دے گی۔ دوسرا یہاں سے لکھ دوں گی۔ مگر۔!"

"مگر۔؟" انھوں نے مسکرا کر استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

بھائی جان بہت مصروف رہتے ہیں شاید۔ انھوں نے میرے دو ایک خطوں کے جواب نہیں دیئے۔ اور خط لکھ کے کیا کروں گی؟" وہ اداس ہو گئی۔"

اچھی بات ہے۔ اب اسے میں لکھوں گا۔" وہ ہنسنے لگے " یہ بھی لکھ دوں گا کہ تم اس کی شاکی ہو۔"

سنیئے!۔ روحی نے عجیب انداز سے انھیں مخاطب کیا جیسے کچھ عرصہ پہلے ماحول سے ذہنی طور پر غیر حاضر ہو گئی ہو۔

پروفیسر شجیع نے نچلا لب دانتوں میں دبا لیا۔

"آپ۔ آپ سے میں کچھ پوچھنا چاہتی ہوں۔"

ضرور پوچھو۔

"میں نے پہلے بھی سوچا تھا۔ کہ آپ کو خط لکھوں گی اور وہ تمام باتیں آپ سے پوچھوں گی جو مجھے پریشان کر رہی ہیں۔!"

"ہاں۔ ہاں ضرور۔ میں تو تمھارے سامنے موجود ہوں۔ سب کچھ پوچھ لو

لیکن روحی ان کے زیر لب تبسم اور بہلانے کی بزرگانہ ادا سے شرما گئی۔!

شجیع کو ہنسی آ گئی انھوں نے کہا "فی الحال تم آرام کرو۔ رات کے کھانے

پھر ہم بہت سی باتیں کریں گے۔! وہ دہلیز کے پاس سے مڑ کر چلے گئے۔!

روحی نے ایک تلخ تجربہ کے بعد ہوش کے ناخن لئے تھے۔ لہذا اس نے بڑی احتیاط سے دروازہ بند کیا اور بڑے سے سلاخوں لگے ہوئے دریچے میں آ بیٹھی۔ پل بھر کے لئے اسے یوں لگا جیسے وہ قیدی ہو اور حبس دوام کی سزا بھگت رہی ہو۔ یہ اجنبی ماحول۔ یہ غیر آدمی اور وہ خود۔ آخر اس پر تکلف ماحول میں وہ کیونکر کھپ سکے گی۔؟ یہ اس نے کیا کیا ہے؟۔ پروفیسر صاحب اسے کن نگاہوں سے دیکھیں گے؟ کیا شریف لڑکیاں یوں ہی گھروں سے بھاگ کر منگیتر کے دوستوں کے پاس پناہ لیتی پھرتی ہیں۔؟ اگر پناہ دینے والا بھی قابل بھروسہ نہ نکلا تب۔؟۔ تب تو مقدر ہی پھوٹ گیا۔ آگے سناٹا پیچھے تاریکی۔ اب وہ کیا کرے۔؟ اپنی نظروں میں آپ گر رہی ہے؟۔ اف پھر بے پناہ تند و تیز جوار بھاٹے اس کے سینے میں مچلے اور آنکھوں کا بند توڑ کر گالوں پر بہہ نکلے لیکن پروفیسر شیخ کے قول کے مطابق۔ آنسو فی الحال کسی مصیبت کا حل نہ تھے۔ بلکہ وہ مزید مصیبت لے آئے تھے اب درد سے اس کا سر پھٹ رہا تھا!

موسم کی اداسی اسے مارے ڈالتی تھی۔ اس کی نظروں کے سامنے بڑا خوشنما سا چھوٹا موٹا باغ تھا۔ ہرے بھرے درختوں پر ننھی ننھی بوندیں جلترنگ بجا رہی تھیں۔ ہوائیں ان سے خوش فعلیاں کرتیں اور شبنم کے سے موتی لطیف تھمگی کے ساتھ بخت روش پر بکھر جاتے۔! بھیگے بھیگے گلاب پتوں پر سرنگوں تھے کسی گھنے درخت میں چھپا ہوا برسات کا پپیہا بھی منی چڑیا۔ تو بہی تو بہی کا شور مچا رہی تھی۔ اندر باہر سب سناٹا

تھا۔ شور تو اس کے اندر برپا تھا۔ قیامت تو اس کی ذات میں آئی ہوئی تھی۔
وہ یونہی آرام کرسی پر پڑی رہی یہتی کہ مدھم سے ٹمٹماتے اجالے کو بھی بادلوں
بھرے کالے آسمان نے نگل لیا۔ سرسبز باغ پر رات کی تاریک ردا منڈھ
گئی۔ اور بارش تیز ہو گئی۔

کسی نے دروازے پر دستک دی۔ ڈوبتے دل سے اٹھ کر اس نے
دروازہ کھولا۔ سامنے ملازم لڑکا کھڑا تھا۔ بڑے ادب سے اس نے اطلاع
دی "سرکار۔ کھانے کے کمرے میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"اچھا" وہ پھر نروس ہو گئی۔

آئیے میں آپ کو لیے چلتا ہوں۔ آپ کو کیا معلوم۔ طعام خانہ کہاں ہے
وہ اس کی بے وقوفی پر مسکرا رہا تھا۔!

اسے مرضی سے یا نامرضی سے جانا تو تھا۔ لڑکا اسے چھوڑ کر چلا گیا! اندر
جاتے ہوئے اسے بہت شرم آ رہی تھی۔! شجیع نے اسے آواز دے لی۔
وہ اس کی بے پناہ ندامت کو بھانپ گئے تھے اس نے جلدی سے بولے۔
بھئی دیکھو محترمہ روحی۔ میں بہت صاف گو آدمی ہوں۔ یہ سوچے
سمجھے بغیر کہ مخاطب کیا محسوس کرے گا میں جو کچھ کہنا ہوتا ہے کہہ دیا کرتا
ہوں۔ تم سے بھی کہنا چاہتا ہوں کہ چونکہ میرے ایک مخلص اور گہرے
دوست کی بہن ہو۔ غائبانہ طور پر مجھے جانتی بھی ہو۔ اور۔!"

آپ بھی تو جانتے تھے۔ وہ بول اٹھی۔

شجیع ہنسنے لگے "ہاں۔ یہ تو میں بھول ہی گیا تھا کہ میں بھی تمہیں جانتا
تھا۔ اس لحاظ سے ہم میں کوئی غیریت اجنبیت یا تکلف نہیں ہونا چاہیے

وہ رک گئے۔۔!

جی۔!" اس نے لقمہ دیا۔

"کہنا یہ ہے کہ اب یہ گھر تمھارا ہے۔ جب تک یہاں تمھارا قیام رہے گا یہاں کے سیاہ و سفید کی تم ذمہ دار رہو گی۔ آج تک یہاں کا سارا کارخانہ یونہی چلتا رہا ہے۔ لیکن شاید اب نہ چلے گا۔ اسے تم سنبھال لو گی۔۔ وقت پر مجھے ناشتہ ملے گا۔ وقت پر کھانا۔۔؟"

"جی ہاں۔!

"یہ کیا تم ہاتھ پر ہاتھ رکھے کیوں بیٹھی ہو۔ ابھی میں کہہ چکا ہوں کہ ہم میں کسی قسم کی بیگانگیت نہ ہونی چاہئے۔ اوہو۔ شاید تم مجھ سے شرما رہی ہو۔ اچھی بات ہے۔ میں باہر اپنے کمرے میں ۔۔"

"نہیں نہیں۔ آپ بیٹھئے۔ میں کھاتی ہوں۔!"

انھوں نے اس کے سامنے پلیٹیں سرکا دیں۔ اور بولے۔"اب کھانا اور باتیں ساتھ ساتھ شروع کرو۔ تم بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھیں۔

اور وہ "بہت کچھ" تو اب بھی اس کے سینے میں لاوے کی طرح پک رہا تھا۔ مگر اس کی نکاسی کی راہ اسے نہ ملی۔ وہ خاموش رہی پھر شفیع نے بھی چپ سادھ لی۔ اس سے دوبارہ اصرار نہیں کیا۔

پھر دیر بعد کافی پینے کے دوران میں دفعۃً روحی بولی۔" آپ کو وہ جگہ تو معلوم ہو گی۔ جہاں طیارہ حادثہ کے بعد گرا تھا۔

معلوم ہے۔ اسی جہاز سے تو اقبال میرے پاس آ رہا تھا۔" انھوں نے جواب دیا اور نظریں چرانے لگا۔ اپنے جذبات چھپانے کے لئے انھوں

نے سر جھکا کر سگریٹ سلگایا اور بڑا گہرا کش لیکر فضا دھواں دھار کردی

آپ کو وہ کہیں نہیں ملے۔؟ روحی نے بیتاب لہجے میں پوچھا۔ اور پھر
شجیع کے چہرے پر وہ کرب بکھر گیا جو جان بوجھ کر جھوٹ بولتے وقت چہرے
پر چھا جاتا ہے۔ انھوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

یہی تو آپ نے اپنے خط میں بھی لکھا تھا۔" روحی اچانک پُر مسرت
لہجے میں بولی۔ لیکن میں ماموں ابا کو کیا کہوں نہ یہ بات ان کی سمجھ میں
آتی تھی نہ انھیں ان کیبھائی دکھائی دیتے تھے بھلا میں ایک آدمی کی ہار نے
کے بعد دوسرے آدمی کا ہاتھ کیسے تھام لیتی۔ آپ ہی بتایئے۔!

بے شک۔ انھوں نے گول مول لہجے میں جواب دیا۔ اس موقعہ پر لفظ
بے شک کوئی معنی نہیں دے رہا تھا۔ لیکن روحی نے دھیان نہیں دیا۔

"آپ کو یقین ہے کہ وہ مل جائیں گے۔!

کیسے کہہ سکتا ہوں!" وہ پھر سر جھکا کر ایک سگریٹ سے دوسرا سگریٹ
سلگانے لگے۔!

"میں آپ کو ایک ترکیب بتاؤں۔ کل آپ اور میں صبح سویرے گھر سے
نکل چلیں گے اور سارے ہسپتالوں میں انھیں دیکھیں گے۔!"

تم سمجھتی ہو۔ میں نے یہاں کے ہسپتالوں میں انھیں ڈھونڈا نہیں ہے!
وہ آپ کو کہیں نہیں ملے؟" روحی پھر مایوس ہو گئی۔

شاید یہاں سے کہیں اور بھجوا دئے گئے ہوں۔!

شاید۔!"

تم انھیں بہت چاہتی تھیں روحی؟"

اور برجستہ سوال پر بے ساختہ روحی کے لبوں سے نکل گیا۔ "بہت"!
پھر وہ یکبارگی شرما گئی اور سر جھکا کر لباس کی فرضی شکنیں درست کرنے لگی!

باہر بارش کا شور بڑھتا جا رہا تھا۔ رات صحیح معنوں میں بھیگنے لگی تھی۔
شمیم نے کف سرکا کر کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی اور اٹھنے لگے۔ "نو بجنے والے ہیں۔"

"چلو آرام کریں۔ کل میں یونیورسٹی نہیں جاؤں گا۔ ہم شوپنگ کرنے چلیں گے
میں رافعہ اور پرویز کو تمھاری آمد کی اطلاع دوں گا۔ شاید اقبال کی زبانی
انھوں نے تمھارا تذکرہ سنا ہو۔ وہ تم سے مل کے بہت خوش ہوں گے...
روحی تم نے کوئی گرم لباس نہیں پہنا۔ تمھیں سردی نہیں لگتی۔"
"جی۔ جی ہاں۔" وہ کچھ کہہ نہ سکی۔!
"تم حیدرآباد سے آ رہی ہو۔ وہاں کے موسم بہت معتدل ہوتے ہیں
لیکن یہاں بہت سردیاں پڑتی ہیں۔ کل تم ایک گرم کارڈیگن خرید لینا۔"
وہ بچوں کی طرح اسے ٹریٹ کر رہے تھے۔ پھر انھوں نے اسے اس کے
کمرے تک لا کے چھوڑا اور "شب بخیر" کہہ کے چلے گئے۔!!!

روحی کا فرار کوئی معمولی سانحہ نہیں تھا جو اتنی جلدی بھلا دیا جاتا۔ ماموں
ابا کے بوڑھے کمزور جسم پر اس کا نہایت ناگوار اثر پڑا۔ وہ بیمار ہو گئے۔ چلنے
پھرنے کی سکت باقی رہی۔ ممانی اماں کو سکتہ سا ہو گیا تھا۔ افضال احمد

اس شیر کی طرح بپھرے رہتے تھے جس کے منہ سے شکار چھوٹ گیا ہو۔ انھوں نے بڑی ذلت اور رسوائی کا مقابلہ کیا تھا۔ پہلے پہل تو ان کا یہ بہانہ چل گیا تھا کہ روحی بیمار تھی اور نرسنگ ہوم میں تھی۔ لیکن تا بکے۔ عزیز اقارب تو اس کی عیادت کے لیے آتے ہی تھے۔ اور سرگوشیاں کرتے تھے۔ آخر لڑکی کیا بیمار تھی جو اس کے پاس ڈاکٹر کسی کا قرب گوارہ نہ کرتے تھے پھر کسی سے یہ بات پھوٹ نکلی کہ عین بیاہ کے روز دلہن گھر سے بھاگ گئی تھی! ۔ لوگ ان پر ہنستے تھے۔۔ افضال احمد کو خصوصاً بڑی ذلت سہنی پڑی۔ وہ غصے میں بھرے رہتے اور بات بات پر بڑی بڑی قسمیں کھاتے تھے کہ اگر انھیں روحی مل گئی تو وہ اسے جان سے مار ڈالیں گے۔!

اس گھر میں مطمئن ہستی صرف ایک تھی۔ وہ تھی سارہ۔ اسارہ یہ کبھی سوچ ہی نہ سکی کہ اس کی طمانیت دوسروں کو مشکوک کر سکتی تھی۔ افضال احمد شبہ میں پڑ گئے۔ جب وہ لوگ پریشان ہیں اپنی رسوائی پر رنجیدہ ہیں تو آخر سارہ پر اپنی بہن کی گمشدگی کا کوئی اثر کیوں نہیں ہے۔ انھوں نے چپکے چپکے اس کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنا شروع کی۔ سارہ کو احساس تک نہ ہوا۔ افضال احمد نے سارہ کے چھپے ہوئے تبسم اور سرد انداز سے جان لیا کہ یقیناً وہ کچھ نہ کچھ ضرور جانتی تھی۔ وہ اسے رنگے ہاتھوں پکڑنے کے مواقع تلاش کرنے لگے۔ اس کی نوبت بھی جلد ہی آ گئی۔

صبح کا وقت تھا۔ ناشتے کے بعد سارہ اپنی کتابیں سنبھالے کمرے سے نکلی اور سب کے سامنے سے گزر کر باہر جانے لگی۔! افضال اسے غور سے دیکھ رہے تھے۔ اس کے مسکرانے سے انھیں آگ لگ گئی۔ انھوں نے

اپنی ماں سے کہا۔

"اماں ۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ سارہ پر ردحی کی گمشدگی کا اثر کیوں نہیں ہے۔ یہ دونوں تو آپس میں بڑی شیر وشکر تھیں۔

اماں نے صرف سرد آہ بھری اور سر جھکا کر ڈلی کاٹنے لگیں۔

کیا کروں اس کا سوگ منا کے" سارہ بولی۔ میں تو خوش ہوں۔ وہ بڑے جنجال سے نکلی۔!

کیا مطلب ہے" افضال احمد غرائے۔

سارہ میں طاقت برداشت کا فقدان تھا۔ وہ ابھی متانت بھی نہ تھی چنانچہ پھٹ پڑی۔ مطلب یہ کہ اس نے آپ سب کی باتیں سن لی تھیں۔ صرف پچاس ہزار کی خاطر وہ آپ پر بھینٹ چڑھائی جا رہی تھی۔ اسے یہ پسند نہ تھا۔ مرتی کیا نہ کرتی ۔ موقع پا کے کہیں چل دی۔!"

اچھا۔ اور تم سے کہہ گئی۔" افضال احمد کا چہرہ آگ ہونے لگا۔

بڑی لمبی زبان ہو گئی ہے ٹبیا تمہاری" ممانی اماں بولیں۔

کالج سے اور کیا فیض پہنچے گا۔" افضال نے زہریلے لہجے میں کہا۔" آپ اسے گھر کیوں نہیں بٹھا لیتیں ۔ ؟"

مجھے ردحی مت سمجھنا بھیا۔" سارہ بولی۔

یہ بات ہے !" افضال احمد اپنی جگہ سے اٹھے" تو پھر میں بھی دیکھتا ہوں۔ تم آج سے کالج کیسے جاتی ہو۔ چلو۔ رکھ دو ادھر کتابیں۔ ورنہ!

ہرگز نہیں۔" سارہ بولی۔ یک بیک کسی خوف سے اس کا چہرہ زرد ہو گیا۔ اس کی ایک کتاب میں وہ خط رکھا ہوا تھا۔ جو چلتے ہوئے ردحی

نے اپنے بھائی اویس احمد کو لکھا تھا اور دوسرا وہ خط بھی تھا جو سارہ نے روحی کو لکھا تھا۔ اور آج موقع دیکھ کر انھیں پوسٹ کرنے جا رہی تھی!۔

افضال سے اس کا یہ تغیر پوشیدہ نہ رہا۔ انھوں نے ڈپٹ کر کہا: "میں کہہ رہا ہوں باہر قدم نہ رکھنا۔ رکھ دو ادھر یہ خرافات!"

سارہ نے کتابیں اپنے سینے سے چپکا لیں۔ افضال کا شبہ یقین کی حدیں چھونے لگا!۔ انھوں نے دفعتہ" جھپٹا مار کر کتابیں چھین لیں۔ سارہ دیوانی ہو گئی۔ وہ افضال سے چمٹ گئی۔ افضال نے ہاتھ اونچا کر لیا۔ بہر حال سارہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ تک نہ پہونچ سکا۔ اور تب سارہ منھ ڈھانپ کر فرش پر بیٹھ گئی۔ افضال احمد نے کتاب کھولی۔ وہ خود بخود کھل گئی۔ اب ان کی نظروں کے سامنے دو خط موجود تھے!۔ ایک پر تحریر تھا۔ منجانب روحینہ بنام اویس احمد۔ دوسرے پر مرقوم تھا۔ منجانب سارہ بنام روحینہ

افضال احمد نے کتاب فرش پر پٹخ دی۔ اور تخت پر بیٹھ کر خط پڑھنے لگے۔ جوں جوں وہ آگے بڑھتے جاتے تھے۔ ان کا چہرہ فرط غیظ سے بگڑتا جا رہا تھا۔! خط ختم کرنے کے بعد واقعات آئینہ ہو گئے

وہ آپے سے باہر ہو کر سارہ پر ٹوٹ پڑے۔ غصے کے مارے اندھے ہو رہے تھے۔ پاس پڑی وہ قمچی اٹھائی جس سے ان کی والدہ محترمہ بیٹھ کھجاتی تھیں اور اندھا دھند سارہ پر برسانے لگے۔ دالان میں ایک طوفان بے تمیزی برپا تھا۔ ماموں ابا کی گرج۔ ممانی اماں کی دہشت زدہ گھگیاہٹ افضال کی دہاڑیں اور سارہ کی چیخ پکار۔ افضال نے قمچی کے ٹکڑے اڑا دیے سارہ نیم بیہوش تھی اور افضال جھاگ اڑاتے ہوئے تمام واقعات

اپنے والدین سے بیان کر رہے تھے۔ ساتھ ہی ان کے منہ سے ایسی مغلظات نکل رہی تھیں جن کا مفہوم سمجھنے سے وہ خود بھی قاصر تھے۔ ماموں ابا پر سکتہ ساطاری تھا۔ ممانی اماں اپنی بیٹی کی دیدہ دلیری پر متحیر تھیں۔ اور سارہ فرش پر بیٹھی سسک رہی تھی۔!

پھر افضال احمد ابل پڑے "میں جاؤں گا۔ اور اس مالزادی کی چوٹی پکڑ کر کھینچ لاؤں گا۔ ہم سے بچ کر اس نے ۔" اور ایک بار ایک شرمناک گالی بک کر انھوں نے جملہ پورا کیا۔ اس کے بعد پاؤں پٹختے ہوئے چلے گئے۔ ماموں ابا نے ایک نفرت انگیز نظر سارہ پر ڈالی۔ ان کی دانست میں انھیں بڑے خسارے سے دوچار کرنے والی سارہ ہی تھی۔ پھر وہ بھی کچھ ناگفتہ بہ صلواتیں سناتے ہوئے اٹھ گئے۔

اور ممانی اماں کی تو زبان ہی نہ رکی۔

سارہ درد سے کراہتی اپنے بھائی کے بے جا ظلم پر افسوس کرتی اپنے کمرے میں جاکر لیٹ گئی۔ اپنی اس درگت میں بھی اسے رحیمہ کا خیال تھا اگر افضال احمد اس تک پہونچ گئے تو پھر۔ وہ یقیناً ہو چکیں گے۔ انھوں نے بہت بری بری ناقابل کفارہ قسمیں کھائی تھیں۔ پاگل ہو رہے تھے۔ سارہ نے ڈوبتے تیراک کی طرح بہت ہاتھ پاؤں مارے۔ کسی صورت سے روحی کو اس واقعہ کی اطلاع تو دیدیتی۔ مگر اس کے بنائے کچھ نہ بنا افضال احمد نے اسے سچ مچ نظر بند کر رکھا تھا۔ نہ وہ باہر جا سکتی تھی۔ نہ کوئی باہر سے اس کے پاس آسکتا تھا۔ اور اس کا کالج۔ وہ تو اب شجر ممنوعہ بن گیا تھا۔! بے تعبیر خواب تھا۔ اس کا کالج

دوسرے روز افضال صاحب نے بڑے جوش سے اعلان کیا تھا۔ انھوں نے الہ آباد والے بھیا کے دوست کے نام خط لکھ دیا تھا۔ اور اب وہ خود بھی ان سے "پرسش" کے لئے جائیں گے۔"

اچھا دوست ہے نگوڑا" ممانی اماں نے برا سا منہ بنایا تھا۔ صورت دیکھو تو "اشرافوں" کی سی۔ اور مراد چلے لچھن مایکاروں کے سے۔ کندی کرنے میں مروت نہ کرنا۔"

ماموں ابا برس پڑتے "اب چاہے جو بھی کرو۔ وہ نادان لڑکی تو برباد ہو چکی ہے۔ کوئی غیر مرد بھاگی ہوئی لڑکی کو بہن بنا کے نہیں رکھتا۔!

اگر ایسی بات ہوئی۔ تو دونوں کو زندہ دفن کر کے پھانسی پر چڑھ جاؤں گا۔" افضال نے کہا۔

اے میاں دور کرو۔" ممانی اماں نے فرمایا۔ صدقہ کی مرغی چاہے گھورے پر جائے چاہے کسی چوڑھے چمار کے پیٹ میں۔ اپنی جوتی سے میری بھانجی صدقہ کی مرغی ہے؟" ماموں ابا غرائے۔

اب شرم آدا سے بھانجی کہتے ہوئے۔" ممانی اماں نے حقارت سے زمین پر تھوک دیا۔ "کوئی ناک رکھی ہے بھانجی نے بزرگ ماموں کی۔ نوج" نہ تم کو لالچ گھیرتا نہ یہ نوبت آتی۔ ماموں ابا بولے۔

لالچ کیا۔ کیا اسے مفت بھرا رہے تھے۔ ہم خرچ اٹھاتے تو پتہ چلتا۔

اب لڑائی جھگڑے سے کیا فائدہ۔" افضال نے والدین کا جھگڑا چکا دیا۔ جو ہونا تھا وہ ہوا۔ اور اب جو ہونا ہے وہ ہو گا۔"

پرائی بدشگونی کے پیچھے اپنی ناک نہ کٹانا۔ ممانی اماں نے کہا۔

ایسا مزہ چکھاؤں گا کہ یاد رکھیں گے عمر بھر۔ ارے میں شیخ صاحب کو اس قدر کم ظرف نہیں سمجھتا تھا۔ افضال نے کہا۔

وہ بے چارے کیا کرتے؟" ماموں ابا نے کہا" میں عرصے سے انھیں جانتا ہوں۔ وہ بہت شریف متین اور سنجیدہ آدمی ہیں۔ یہ ہماری صاحبزادی ہیں۔ زبردستی ان کے گلے پڑیں وہ کیا کرتے؟

لے آتے سمجھا بجھا کے واپس" افضال باپ کے مقابلہ میں گرجے۔

وہ ضدی سرکش چھوکری واپس آتی تب نا۔ خدا معلوم اس بیچارے کو کیا پٹی پڑھائی ہے۔ انھوں نے اخلاقاً بھی اس کے پہونچنے کی ہمیں خبر نہ دی۔ ماموں ابا بڑے فکر مند تھے۔

ان سب کی کہی بدی تھی۔ ابا میاں" افضال نے پر نفرت لہجے میں کہا" آپ ان بدذات لونڈیوں کی گہرائی تک کہاں پہونچیں گے۔ معلوم نہیں۔ ان حضرت کو کیا کھلا کے اپنی طرف ملا رکھا تھا۔ وہ بھی منھ میں مونگ بھر کے بیٹھ گئے۔ لاحول ولاقوۃ۔

ان سب پر یونہی بوچھار پڑتی رہی۔ اسارہ سب کچھ سن رہی تھی — بے بس تھی۔ اس کے بنائے کچھ بن نہ رہا تھا۔ وہ خود پر لعنت بھیج رہی تھی۔ نہ اتنی بے ضبط ہو جاتی نہ یہ راز افشا ہوتا۔ سب لوگ رو پیٹ کے بیٹھ جاتے اور فرض کر لیتے کہ روحی کہیں مر کھپ چکی۔! روحی پر اب جو مصیبت آئے گی۔ وہ بس سارہ ہی کی وجہ سے آئے گی! ۔ بے چاری صرف آنسو بہا سکتی تھی۔ بے بسی کے ساتھی آنسو۔!

ماموں ابا نہیں چاہتے تھے کہ افضال احمد الہ آباد جائیں مگر ان کی سنتا کون تھا۔

ممانی اماں نہایت اشتعال انگیز پیرایہ میں افضال کے خوفناک ارادوں کو ہوا دیتی تھیں۔ سارہ نے کئی مرتبہ سوچا کہ وہ اپنی ماں کو سمجھائے گی۔ روحی کے آنسو نہ سمیٹیں۔ مگر وہ اپنی ماں کی فطرت سے خوب واقف تھی۔ وہ منع کرنے پر زیادہ سخت ہو جاتیں۔ اور پھر اس نے روحی کو اپنی طرف سے خدا کے سپرد کر دیا۔

افضال نے دوڑ دھوپ کر کے ٹکٹ حاصل کر لیا تھا۔ اور بس جانے والے تھے۔ انھوں نے ماں کو سختی سے تاکید کر دی تھی۔ کہ سارہ کو ہرگز باہر نہ جانے دیا جائے۔ اس پر والدہ محترمہ نے جواب دیا تھا۔

"کسی بھلے آدمی کو دیکھو۔ میں اس ہوائی دیدہ کے ہاتھ پیلے کر دوں اس نامراد کا جہیز رکھا ہے۔ اسی کو دے دیں گے۔

" ہاں اماں۔ میں الہ آباد سے واپس آؤں گا۔ تو سب سے پہلے سارہ کے لئے سوچوں گا۔ اس نے اتنا خطرناک کام کر دیا ہے نہ جانے آگے کیا کرے گی۔ بڑی دلیر اور نڈر ہے۔!

" کالج میں پڑھ کے اور کیا کرے گی۔؟"

آہ۔ وہ پچاس ہزار" افضال کو دفعتہً گڑا ہوا مردہ یاد آ گیا "کیا کیا پروگرام میں نے بنائے تھے۔ سب پر اس حرافہ نے پانی پھیر دیا۔ ہم ترس رہے ہیں اور روپیہ بینک میں پڑا کھنک رہا ہے۔ آخر ابا میاں نے اپنے نام سے کیوں نہ جمع کر دیا۔

"بڈھی عقل کی کارگزاری۔ بھاگجی پر بل بل جاتے تھے۔"
سارہ مسکرائی تھی۔ لالچ کا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہے۔

ان دنوں پروفیسر شجیع الرحمٰن کا چھوٹا بھائی پرویز اور بہن رافعہ ان کے پاس آئے ہوئے تھے۔ روحی سب سے مل کر بے حد مسرور ہوئی۔ رافعہ بہت جلدی اس کی سہیلی بن گئی۔ اتنی سی دیر میں اس نے اپنی ڈھیروں باتیں روحی سے کر دی تھیں۔ اس کا چار سال کا بچہ روحی کو بے حد پیارا لگا جو بہت دکھی تھا۔ جسے اپنے ناقابلِ تلافی خسارے کا کچھ پتہ نہ تھا۔ رافعہ کو دیکھ کر حیرت ہوتی۔ وہ بہت کم عمر تھی۔ بیوہ اور ایک بچہ کی ماں تو لگتی ہی نہ تھی۔ روحی نے اس سے اپنی کہانی کہہ دی۔ کوئی بات نہیں چھپائی بڑی جلدی دونوں میں بہنا پا قائم ہو گیا تھا۔

ایسا ہی پرویز بھی تھا۔ وہ پچیس سال سے زیادہ کا نہ تھا لیکن اس میں ابھی تک لڑکپن اور بچپنے کی شوخی شرارت باقی تھی۔ اپنے بڑے بھائی صاحب کے بالکل برعکس تھا۔ پل بھر نچلا بیٹھنا اس سے ممکن نہ تھا۔ ہر وقت بے معنی بکواس کرتا اور اپنی چھوٹی بہن اور قابل تعظیم بڑے بھائی کو بھی بنانے سے نہ چوکتا!۔ اس کے آنے سے سونے گھر میں زندگی کی بھر پور لہر دوڑ گئی۔!

شجیع نے اکیلے میں اسے تنبیہ کی تھی۔ "تم اپنے مسخرے پن میں آپے

سے باہر ہو جاتے ہو۔ لیکن اب خیال رکھنا۔ وہ شاید تمھارے مذاق کی متحمل نہ ہو سکے۔ بڑی مصیبت زدہ لڑکی ہے!"

جواب میں پرویز بولا۔ "او۔ بھائی جان اب آپ ایک ایک کی مصیبت سے متاثر ہونا چھوڑ دیجیے۔ اس طرح تو آپ کی گاڑی کبھی صحیح پٹریوں پر نہیں آئے گی۔ میں تو کچھ اور سمجھا تھا۔"

"کیا سمجھے تھے؟" شجیع نے اسے گھورا۔

"میں سمجھا تھا کہ جس طرح دانے دانے پر کھانے والے کا نام لکھا ہوتا ہے ان محترمہ پر آپ کا نام لکھا ہوا ہے۔!"

"بکو مت۔ وہ میرے ایک مخلص دوست کی بہن ہے۔"

"تو کیا شادی غیر مخلص دوست کی بہن سے کی جاتی ہے۔"

"تم اپنی یہ بے معنی بکواس بند نہیں کرو گے۔"

"آپ کا کوئی بزرگ اب میرے علاوہ باقی نہیں بچا۔ دل کی باتیں مجھ سے کہہ دیجیے۔ ناحق شرم نہ کیجیے۔"

"پرویز۔ ہو!"

"اچھا میں ان محترمہ کو ٹٹولتا ہوں۔"

"سنو پرویز۔ سنو!" وہ چیختے رہ گئے۔ پرویز کمرے سے بھاگ گیا۔ شجیع اس کے پیچھے دوڑ نہ سکے۔ لیکن دروازے کے پاس آکر کھڑے ہو گئے۔

رافعہ اور روحی برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ رافعہ کا بچہ ان کے پاس کھیل رہا تھا۔ پرویز کو دیکھ کر دونوں چپ ہو گئیں۔ وہ

خاصہ لمبا چوڑا آدمی تھا۔ اسے کسی صورت سے لڑکا نہیں کہا جا سکتا تھا۔
اپنے ہونٹ پر اس نے مونچھوں کی جھوٹی پال رکھی تھی اور مکمل مرد لگنے لگا تھا۔

ہائیں ۔ وہ بیٹھتا ہوا بولا۔ آپ ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔ ادھر بھائی جان نے تمبا کو کمپنی کا دیوالیہ نکال دیا ہے۔ سگریٹ پی پی کر اپنی کوفت بہلا رہے ہیں۔"

کیوں ؟" روحی نے پوچھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ شجیع کو کبھی شکایت کا موقعہ دے۔

"آج انھوں نے اسی لیے تو چھٹی لی تھی کہ آپ سب کے ساتھ گھومنے چلیں گے۔ ابھی کہہ رہے تھے۔ کہ میں روحی صاحبہ کے لئے ہمیشہ مرنے کے لئے تیار رہتا ہوں لیکن وہ میرا اتنا سا خیال بھی نہیں کرتیں کہ کم از کم میرے ساتھ باہر گھومنے ہی چلیں۔"

شجیع نے غصے سے ہونٹ چبائے۔" پاگل ۔ ہنہہ ۔" میں مرنے کیلئے تیار رہتا ہوں۔ گدھے کو بات کرنے کا بھی سلیقہ نہیں۔"

ہم سے انھوں نے نہیں کہا۔" روحی بولی۔ اس کے لہجے سے پچھتاوا ظاہر ہو رہا تھا۔

ارے۔ نظریں بچایا کیجئے۔ پرویز نے اسے نصیحت کی۔" اب میں آپ کو بتاؤں۔ ان کی ایک شاگرد ہے۔ وہ ان کا مزاج خوب پہچانتی ہے ابھی مجھ سے کہہ رہے تھے کہ پرویز صاحب۔ یار کیا بتاؤں۔ ظالم نے دل پہلو سے نکال کے اپنی لمبی لمبی پلکوں میں اٹکا دیا ہے جگر کالے

کالے بالوں میں الجھا لیا ہے۔ عجیب چیز ہے۔ مگر حد سے زیادہ نا سمجھ ہے
نظریں بھی کچھ کہتی ہیں۔ یہ اسے معلوم ہی نہیں۔!"

"آپ سے کہا۔ بھائی جان نے؟" حیرت سے رافعہ نے پوچھا۔

"ہاں۔ کیا کرتے۔ آج تو پھٹ ہی پڑے۔" پرویز مغموم لہجے میں بولا۔

روحی کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ پرویز اتنا مکار تھا کہ اس نے یہ تبدیلی نوٹ
کی۔

"آپ کی تو بے حد تعریفیں کر رہے تھے۔" وہ فوراً اس سے بولا۔ "کہہ
رہے تھے کہ روحی مجھے اسم با مسمیٰ معلوم ہوتی ہے۔ وہ میرے مردہ گھر
کی روح بن کر آئی ہیں۔ میرا بڑا خیال رکھتی ہیں۔ میں ان کا بے حد شکر گزار
ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ پھر اس گھر سے یہ روح نکل نہ جائے۔ ابھی مجھ
سے کہہ رہے تھے کہ۔"

شجیع کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ انھوں نے پکارا۔ "پرویز۔"

"آپ لوگ فوراً تیار ہو جائیے۔ اب پھر میری ہی گوشمالی کریں گے"
اس نے کہا۔ "ہری اپ۔ میں جا کے ذرا ان کا غصہ ٹھنڈا کرتا ہوں۔ ہمیشہ
دوسروں کا غصہ مجھ پر ہی اتار دیتے ہیں۔۔۔۔ اچھا اچھا۔ ابھی آیا۔"
اس نے ہانک لگائی اور اٹھ کر بھاگ گیا۔ دونوں بوکھلا کر لباس بدلنے
چلی گئیں۔ پرویز باہر پہنچا۔ اور شجیع کو سیلوٹ کر کے ان کے سامنے
فوجی کی طرح اسٹینشن ہو گیا۔

"تم ابھی اور اسی وقت اپنے ہوسٹل واپس جاؤ۔" شجیع نے بڑے ناگوار
لہجے میں کہا۔

واہ واہ جناب۔ الٹی نکلائیتی ہوئیں احسان تو گیا۔" پرویز بولا
میں آپ پر اور ان پر ترس کھا رہا ہوں۔ نہ آپ شرم کے مارے کچھ
منھ سے کہہ سکتے ہیں۔ نہ وہ غریب بے زبان، زبان کھول سکتی ہے
مگر آپ۔"

"پرویز۔! ان کی یہاں رہائش سے تم کوئی غلط مطلب نہ نکالو
وہ اپنے مرحوم منگیتر کی یاد میں بہت پریشان ہیں۔ کسی مصیبت زدہ ہستی
سے دل شکن مذاق کرنا گناہ ہے۔ سمجھے!"

ان کے منگیتر مر چکے ہ؟" جھک کر پرویز نے پوچھا۔

ہاں" نہایت ناخوشگوار لہجے میں شجیع نے جواب دیا۔

"بس تو وہ نہایت آسانی سے اس معصوم بچے کی بھابھی بن سکتی ہیں!
میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔ اور۔ خبردار۔ پھر میں نہ سنوں کہ تم
نے اس سے کوئی بیہودہ مذاق کیا ہے۔

اچھا آپ جھٹ پٹ تیار ہو جائیے" دفعتہً وہ ہنس پڑا "۔ وہ
دونوں بن ٹھن کے آتی ہوں گی۔ بھائی جان۔ آپ کے دوست کی
بہن آپ پر کچھ کچھ ڈاؤن ضرور ہیں۔ جب میں نے یہ کہا کہ ۔!"

چلئے بھائی جان" رافعہ اندر آ گئی۔ اس کے ساتھ روحی بھی تھی۔
شجیع گھبرا گئے۔ اب انھیں باہر جانا پڑے گا۔ پرویز نے سر جھکا لیا۔ پھر
شجیع کی گھبرائی ہوئی شکل دیکھ کر اس کی ہنسی ضبط سے باہر ہونے
لگی تو وہ یہ کہہ کر اٹھ گیا۔ آپ چلئے۔ تب تک میں بھی کپڑے بدل کر
آتا ہوں" پھر وہ جلدی سے کمرے سے نکل گیا۔

شجیع نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ اور اٹھ گئے

پرویز ہی انھیں ادھر ادھر لئے پھرا۔ پہلے پارک لے گیا پھر ایک اچھے ہوٹل میں انھیں لنچ دیا۔ سارا دن گزار کر وہ تھکے تھکے گھر آئے تو روحی بہت مسرور تھی۔ جیسے وہ اپنے دل پر رکھا ہوا بوجھ باہر پھینک آئی تھی گھر پر ملازم نے شجیع کو ایک خط پیش کیا۔!

مغرب تک رافعہ اپنے گھر چلی گئی۔ اور پرویز یہ کہہ کر رخصت ہوا کہ وہ آج کل میں اپنا سامان ہوسٹل سے لائے گا اور گھر ہی پر رہے گا۔!

روحی اپنے کمرے میں کپڑے بدل رہی تھی۔ اس نے غیر شعوری طور پر خود کو اس گھر میں فٹ کر لیا تھا۔ جیسا کہ شجیع نے اس سے مطالبہ کیا تھا۔ وہ ان کی مرضی پر پوری اترنے کی حتی الامکان کوشش کرتی۔! صبح وقت پر شجیع کو بڑا عمدہ ناشتہ مل جاتا۔ دوپہر کو وہ ان کے لئے ٹفن بھجواتی تھی گھر ماس میں تازہ کافی ہوتی۔ جب شجیع یونیورسٹی کے لئے تیار ہو کر کمرے سے باہر نکلتے تب ریڈیو کی ٹری پر انھیں نہایت سلیقے سے باقاعدہ اپنا چشمہ، قلم، کنجیاں، رومال پر رکھی مل جاتیں۔ اتنا آرام شجیع کو زندگی میں پہلی مرتبہ ملا تھا۔ اور آہستہ آہستہ خدمت اپنی عظمت منوا رہی تھی۔ روحی کے تصور پر دل کی دھڑکنوں میں بے ترتیبی سی ہونے لگتی۔ اب وہ اتنے بے فکر نہ رہے تھے۔ انھیں پرخیال انداز میں سگریٹ پینا آگیا تھا۔ پہروں گردو پیش سے بے خبر بیٹھے سوچتے رہ جاتے اپنی اس تبدیلی سے وہ اگر پریشان تھے تو مسرور بھی تھے۔!

روحی کپڑے تبدیل کر کے باہر نکلی۔ کاسنی رنگ کے سیدھے سادے

لباس میں، وہ یوں لگ رہی تھی جیسے موسم کا ایک حصہ متحرک ہو گیا ہو۔

ملازم نے اسے اطلاع دی۔ شجیع اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ لباس برابر کرتی اور سر پر آنچل اوڑھتی باہر کی طرف مڑ گئی۔

آؤ، روحی"۔ شجیع کی آواز سے تفکر ٹپک رہا تھا۔ انھوں نے اپنی بڑی میز سے منسلک سوئچ آن کیا اور کمرہ یکبارگی جگمگا اٹھا۔ روحی نے پلکیں جھپکائیں۔

بیٹھ جاؤ۔

وہ میز کے سرے پر پڑی کرسی پر ٹک گئی اور چور نظروں سے انھیں دیکھا اپنے گرم لبادے میں وہ پہلے سے زیادہ بھاری بھرکم لگ رہے تھے۔ چہرہ کچھ پریشان۔ وہ کسی سوچ میں گم آہستہ آہستہ سگریٹ کے کش لے رہے تھے۔ روحی کو وہ آج پہلی دفعہ بہت خوبرو اور پرکشش لگے۔ اس نے بہت پہلے ان کی تصویر دیکھی تھی۔ لیکن تب وہ ایک لڑکے سے تھے اور اب۔ بہت فرق ہو گیا تھا۔ ان کا لڑکپن متانت میں بدل گیا تھا۔ چہرہ سنجیدہ۔ انداز باوقار اور محتاط۔ کنپٹیوں پر چمکتے سفید تاروں نے ان کی سنجیدگی کو وجاہت اور شان عطا کر دی تھی!۔ روحی کھو سی گئی۔!

اس کی سوچوں کا طلسم شجیع کی بھاری آواز سے درہم برہم ہو گیا۔

روحی!" وہ کہہ رہے تھے۔ تم تو کسی کو اپنی آمد کی اطلاع دے کر نہیں آئی تھیں نا۔!

جی۔!" وہ یکبارگی گھبرا گئی۔

لیکن تمھارا راز کھل گیا ہے" شجیع نے کہا "افضال احمد کو معلوم ہو چکا

ہے کہ تم میرے پاس آئی ہو۔ وہ تم سے اور مجھ سے پرسش کے لئے شاید آج ہی کل میں آنے والے ہیں۔ لو۔ ان کا خط پڑھو۔!"

روحی کا سارا جسم سرد ہو گیا اس نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے خط لیا اور دھندلی نظریں اس پر دوڑائیں۔ افضال نے اپنا پورا غصہ کاغذ پر اتار دیا تھا۔ روحی کو سیکڑوں ناگفتہ بہ باتیں لکھ دی تھیں۔ تجمیع کو غاصب جعل ساز، دھوکے باز، مردے کا مال ہضم کرنے والا۔ شرافت کا ڈاکو اور نہ جانے کیا کچھ لکھ دیا تھا۔ یہ بھی لکھا تھا کہ وہ ان پر دعویٰ دائر کر دیں گے۔ روحی کو گھسیٹتے ہوئے گھر لے جائیں گے۔ ان دونوں کا برا حشر کریں گے۔

خط اس نے میز پر رکھ دیا۔ اور گھبراہٹ اور ندامت کے مارے رو پڑی

"اب کیا ہوگا۔ ہائے بدنامی میری تقدیر بن گئی ہے۔"

"روحی اس مصیبت کا کوئی حل سوچو۔"

آپ نے تو کہا تھا کہ آپ سوچیں گے!" وہ اتنی بے چارگی سے بولی کہ تجمیع کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔ پھر انھوں نے سنبھل کر کہا۔

"میں تو تب سے اب تک برابر یہی سوچتا آرہا ہوں۔ ایک حل تمہاری پریشانی کا سامنے ہے لیکن شاید تم اس سے اتفاق نہ کرو۔"

"بتائیے!"

ہم..... شادی کرلیں۔!"

کیا؟" وہ دھک سے رہ گئی۔

تجمیع چپ ہو گئے!۔

روحی زیر لب بولی "آپ کو معلوم ہے۔ ابھی اقبال کے آنے کی آس

میرے دل سے نہیں نکلی۔ وہ اگر کہیں سے آگئے تو پھر۔

اور اگر افضال آگئے تو پھر۔!"

مجھے زہر دے دیجئے۔ اسے ٹوٹ کر رونا آگیا۔ شجیع بے حد دردمندی سے اسے تکتے رہے پھر بولے "تم سمجھیں نہیں۔ روحی۔ یہ اصلی نہیں بلکہ نقلی شادی ہوگی۔

"نقلی شادی ؟"

ہاں" وہ سر جھکا کر سگریٹ جلانے لگے"۔ اسے کمپنیس میرج کہتے ہیں اور بھئی اصلی سوال تو نیت کا ہے۔ تمھاری اور میری نیت ہی یہ نہ ہوگی تو پھر ظاہر ہے کہ نکاح بھی نقلی ہوگا۔

اس سے۔ کیا ہوگا۔ روحی نے مرتعش لہجے میں پوچھا۔

تم محفوظ ہو جاؤ گی!" انھوں نے سرد لہجے میں کہا۔

جی۔؟۔ وہ پھر بھی نہ سمجھ سکی۔

افضال احمد میری بیوی پر کوئی جبر نہیں کر سکیں گے"۔ شجیع نے کہا "تم ان کے سامنے بھی نہ نکل سکو گی۔ میں کہہ دوں گا کہ تمھارا ان کے سامنے آنا میں پسند نہیں کرتا۔ وہ جیسے آرہے ہیں۔ ویسے ہی چلے بھی جائیں گے"

کیا آپ ان سے ڈرتے ہیں!" روحی نے پوچھا۔

تمھیں اس ناسمجھی ہی نے یہ دن دکھایا ہے"۔ ان کا لہجہ برہم ہوگیا" میں افضال سے کیوں ڈروں گا۔ ایں نہیں چاہتا کہ تمھارے سلسلہ میں وہ میرے گھر پر کوئی ہنگامہ کریں۔ اور میری نیکنامی متاثر ہو۔ روحی۔ تم نے ایک اجنبی شخص کے پاس پناہ لی ہے یہ سراسر ناجائز ہے۔ ویسے

تمھاری نیت پاک ہے۔ میرے دل میں بھی کوئی نامناسب خیال نہیں آتا۔ لیکن دلوں کی بات کون مانتا ہے۔ افضال تمھارے بھائی ہیں۔ انھیں حق حاصل ہے کہ وہ تم کو یہاں سے زبردستی لے جائیں۔ مجھے تمھیں روکنے یا ان کو منع کرنے کا بھی حق نہیں ہے۔ اس صورت میں۔ اگر تم ان کے ساتھ جانا نہیں چاہتیں تو۔ پھر میرا مشورہ تمھیں ماننا ہی پڑے گا۔ دوسری صورت کوئی مجھے نظر نہیں آتی۔

اور۔ تب۔ کیا مجبور ہو جائیں گے؟" روحی نے کپکپاتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"بالکل"

میں آپ کے پاس سے جانا نہیں چاہتی" روحی کے آنسو پھر بہنے لگے" وہ مجھے اگر زبردستی لے جائیں گے تو اپنی مرضی بھی ضرور پوری کریں گے۔ یہ مجھے کسی حال میں گوارہ نہیں ہے۔"

"تو پھر۔ روحی۔ اگر تم۔ آمادہ ہو تو" وہ رک گئے۔

آپ جو مناسب سمجھیں ۔" روحی سپر انداز ہو گئی۔

اور جس شام تجیع اور روحی میرج آفس سے گھر آئے۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد افضال احمد بھی آدھمکے! تجیع نے نہایت پرتپاک طریق پر ان کا خیر مقدم کیا۔ لیکن افضال احمد کا چہرہ بگڑا ہوا تھا۔ دو چار رسمی باتوں کے بعد انھوں نے روحی کو بلانے کا مطالبہ کیا۔

تجیع نے ایک طویل سانس لیکر نہایت سنجیدگی سے جواب دیا "اب یہ صورت ناممکن ہے۔ افضال تمھارا خط مجھے ملا تھا۔ گو کہ وہ

اخلاق و تہذیب سے گرا ہوا تھا۔ لیکن میں نے کوئی خیال نہیں کیا۔ غصے
میں انسان کی عقل یونہی سلب ہو جاتی ہے۔ میں تمھیں معاف کرتا ہوں
کیا خوب۔ آپ مجھے معاف کرتے ہیں۔ افضال کے منہ سے نکلا
خطا آپ کی ہے رحی کی ہے۔ نہ کہ میری۔ آپ میری جگہ ہوتے تو کیا
کرتے؟"
ہاں۔ میں تمھاری جگہ ہوتا تو شاید اس کی نوبت ہی نہ آنے دیتا
تم نے ایک بے سہارا لڑکی کے ساتھ بہت نامناسب سلوک کیا ہے"
نجیب کے تیور دفعتہً بدل گئے۔" رحی نے مجھ سے سب کچھ کہہ دیا تھا۔
مجھے تمھاری حرکتوں پر افسوس ہو رہا ہے۔!
آپ نے اسے کہاں چھپا دیا ہے۔!
"کہیں نہیں۔ کیوں چھپاتا یہ اس کا گھر ہے۔ وہ کہیں آرام سے بیٹھی
ہو گی۔ اور شاید پسند نہ کرتی ہو کہ تمھارے سامنے آئے۔
بھائی صاحب۔ مجھے سختی پر مجبور مت کیجیے۔" افضال نے نتھنے پھلائے
اس کی بھی کوئی ضرورت نہیں افضال۔ اب وہ تمھارے سامنے نہیں
نکل سکتی۔"
"کیوں؟"
اس لیے کہ یہ میرا حکم ہے۔!
آپ کا حکم؟۔ آپ ہوتے کون ہیں۔
میں نے اس سے نکاح کر لیا ہے۔ اب تم سمجھے کہ میں اس کا کون
ہوتا ہوں؟"

آپ نے نکاح کر لیا ہے۔

ہاں۔"!

کیا ضروری ہے کہ میں آپ کے جھوٹ پر ایمان بھی لے آؤں۔

"نکاح نامہ دیکھو گے۔؟!"

لیکن۔۔۔!"

لیکن کچھ نہیں۔ تم اگر اقبال کے چھوٹے بھائی کی حیثیت سے آتے تو میں بھی ایک چھوٹے بھائی کی طرح تمھیں اپنے پاس رکھ لیتا۔ اب تم معاندانہ حیثیت سے آئے ہو۔ تمھارا انداز جارحانہ ہے۔ اس لیے میں تمھیں۔ خوش آمدید نہیں کہوں گا۔ اب تم جا سکتے ہو۔!

آپ نے اپنے دوست کی امانت پر ڈاکہ ڈالا ہے۔"

مجھ سے میرا دوست ہی جواب لے سکتا ہے۔ تم نہیں۔ تم جا سکتے ہو۔

میں روحی سے ضرور ملوں گا۔!

تم اس سے ہرگز نہیں مل سکتے۔ افضال۔ تم جتنی ضد کرو گے۔ میں اتنا ہی سخت ہوتا جاؤں گا۔ اگر تم اپنی بے عزتی پسند نہیں کرتے تو براہ کرم اب چلے جاؤ۔ خدا حافظ۔!

بہت اچھا۔" افضال احمد نے پھنکارتے ہوئے کہا۔" میں جاتا ہوں مگر یاد رکھیے۔ ایک وقت میرا بھی آئے گا۔!"

شجیع ان کی دھمکی سننے کے لئے وہاں رکے نہیں تھے!۔ افضال احمد بڑے طیش میں واپس پلٹے تھے۔

روحی نے سب کچھ سنا تھا۔ اب وہ خوفزدہ تھی۔ آگے کیا ہوگا؟

شجیع دالان میں ٹہل رہے تھے اور سگریٹ پی پی کر اپنا غصہ بہلا رہے تھے۔ روحی نے ان کے سامنے آنے کی ہمت نہ کی۔!

یا اللہ۔ اتنے کم عرصہ میں یہ کیا کایا سی پلٹ گئی تھی۔! روحی دل کھائے سوچ رہی تھی۔ اس نے ہمیشہ ہی غلطیاں کی تھیں۔ گھر سے نکلنا یہاں پناہ لینا۔ شجیع کی بات پر سر جھکانا۔ کیا یہ سب کی سب غلطیاں نہیں تھیں! اب وہ ایک شکنجہ میں جکڑ گئی ہے۔ نہ جانے اسے اپنے ضمیر کے خلاف اب کتنے کام اور ایسے کرنے پڑیں گے جن پر اس کا سر ہمیشہ اسی کے سامنے جھکا رہے گا۔۔۔

اے معبود۔ مجھ پر رحم کر۔! وہ دعاؤں کا سہارا لینے لگی۔

رات کا اندھیرا ہر طرف چھا چکا تھا۔ کئی روز بعد بادل چھٹے تھے اور موسم کی ناگوار خنکی کم ہونے لگی تھی۔

ملازم لڑکا دو دفعہ اسے بلا چکا تھا۔ لیکن وہ اتنی ہمت نہیں اکٹھا کر سکی تھی کہ اپنی بدلی ہوئی پوزیشن میں شجیع کا سامنا کر سکتی۔ لاکھ وہ بندھن فرضی تھا تو کیا۔ وہ خود کو باور کرانے میں دشواری محسوس کر رہی تھی کہ سچ مچ وہ بندھن نقلی ہی تھا۔ کبھی کبھی کوئی چور اس کے دل کی گہرائیوں سے بول اٹھتا۔ نکاح نامہ پر دستخط کرتے وقت کہیں اس کی نیت خالص تو نہیں ہو گئی تھی۔ اور اگر "وہ" بھی ایسے ہی محسوسات سے گزرے ہوں۔ تب نکاح بالکل اصلی ہو گیا ہے۔!

آہٹ سن کر اپنے بحر تصور سے باہر نکلی۔ شجیع کمرے میں آ گئے تھے۔

اب بھی تم کچھ سوچ ہی رہی ہو۔ ردجی۔" افسوس ہے، کیا بندوبی کوشش ہو اکر ان کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ ایسی مسکراہٹ کر وہ پانی پانی ہو گئی۔

واہ بھئی۔ تم نکاح سے پہلے ہی اچھی تھیں۔ وہ اب ہنس پڑے۔ "کم از کم مجھے بھوکا تو نہیں مارتی تھیں۔ اب کیا ہو گیا ہے۔؟

ممنے۔" وہ بے اختیار بول پڑی۔" آپ۔ آپ اسے اصلی تو نہیں سمجھے نا شجیع اپنی ہنسی بھول گئے۔ اپنے ایک سوال میں اس نے اپنی ساری دہشت سمو دی تھی۔ شجیع نے سوچا۔ اس کا خوف اور اندیشہ بے جا بھی نہ تھا۔ لہذا برا ماننے کی بجائے وہ بڑی سادگی سے بولے " نہیں تو۔!"

وہ کمرے سے نکلے اور ان کے پیچھے ردجی بھی باہر آ گئی۔ تبھی ایک ناگہانی افتاد ان پر ٹوٹ پڑی۔ دفعتہً پرویز اپنا بڑا اسا درزی سوٹ کیس لئے ان کے سامنے آ کھڑا ہوا اور کڑک کر بولا " السلام علیکم یا ایہا المومنین "

تم۔" بے حد متحیر ہو کر شجیع نے بے اختیار کہا۔

آپ آ گئے"۔!" دھک سے ہو کر ردجی بھی بولی۔ پرویز نے تعجب سے دونوں کو دیکھا۔ دونوں بدحواس نظر آ رہے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا بات تھی۔ کچھ گھبرا کر بولا۔ کیوں۔ آپ لوگوں کو کیا ہوا۔ کہیں چوری کر کے بھاگے ہیں کیا۔ یا میں آپ لوگوں کو آدمی کم اور شتر مرغ زیادہ نظر آ رہا ہوں۔"

ایسی بات نہیں۔ شجیع نے سنبھالا لیا۔" دراصل معلوم نہیں تھا کہ تم اتنی جلدی چلے آؤ گے۔ کیا اپنا پورا سامان لے آئے ہو۔

کیا آدھا دہیں چھوڑ آتا۔ "وہ ناخوشگوار لہجے میں بولا۔" اپنے بڑے بھائی

کی خدمت میں وہ بے حد بے تکلف اور اچھا خاصہ گستاخ تھا۔ " ارے جب آپ کے گھر میں الو بولتے تھے تب میرا دل نہیں لگتا تھا۔ اب تو محترمہ روحی کی موجودگی میں یہاں بلبلیں چہکتی ہیں۔ تو پھر میرے ہوسٹل میں رہنے کا کیا جواز ہے۔ !"

شجیع نے مذاق کر کے خود کو سہارا دیا۔ الو تو بورڈنگ میں رہتا تھا میرے گھر میں کیسے بولتا۔ !

جی بس اب بولے گا۔" پرویز نے کھسیائے ہوئے بندر کی طرح دانت نکالے۔ اور بیٹھ کر جوتے کی ڈوریاں کھولنے لگا۔ روحی۔ طعام خانے میں آگئی تب شجیع نے پرویز سے کہا کہ انھوں نے روحی سے نکاح کر لیا تھا۔ راز کو راز تو رکھنا ہی تھا۔ ورنہ پرویز کے غلط انداز میں سوچنے سے حالات اور بدتر ہو جاتے ۔! ایک پردہ نشین لڑکی نے اپنے منگیتر کے دوست کے پاس گھر سے عین شادی کے دن بھاگ کے پناہ لی تھی بڑی نامناسب بات تھی۔ اپنے پرائے بھائی بہن سب ہی افسانے بنانے لگتے۔ انسان بری بات پہلے سوچتا ہے اور بری بات کو اچھی بات ثابت کرنے والا الجھ جاتا ہے ۔!

پرویز اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اور شاید خوشی کے مارے ایک نعرہ لگانے والا تھا۔ شجیع نے روک دیا۔

" رشتوں کا احترام کیا کرو۔ پرویز۔

مگر آپ۔ ابھی کل تک تو آپ کہہ رہے تھے کہ۔ گاڑی پٹری پر نہیں آئے گی !"

اب آگئی ہے۔" شجیع نے خشک لہجہ میں کہا۔
میں بھابی کو مبارکباد تو دے آؤں۔" وہ ان کے روکتے روکتے بھاگ
گیا۔!
رافعہ کو اطلاع ملی۔ وہ بھی دوڑ آئی۔ دونوں بہن بھائی شجیع سے ایک
شاندار ڈنر کا مطالبہ کرنے لگے۔!
بھائی جان کی زندگی سنور گئی۔" رافعہ بے حد خوش تھی۔ وہ روحی
سے آلپٹی۔" آپ بہت اچھی ہیں۔ میں نے اللہ سے دعا مانگی تھی کہ بھائی
جان کا دل پلٹ دے۔ وہ آپ سے شادی کرلیں۔ اب ان کی زندگی میں
بہار آئے گی۔ چلیئے میں آپ کا کمرہ سجا دوں۔ یہاں تو کوئی چیز آپ کے
استعمال کے قابل نہیں ہے۔!"
روحی کے سینے میں پھر ایک ٹیس اٹھ گئی۔ کمرہ۔ ! سجا ہوا کمرہ خدا
کی پناہ۔ یہ تو اس نے سوچا ہی نہ تھا کہ۔ اس نقل کو اصل کا روپ دینے
کے لیئے اسے اپنے شوہر کے کمرے میں رہنا پڑے گا۔ ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ پھر
اس کے ہر بن مو سے بہنے لگا۔!
رافعہ اپنے بھائی جان سے ضد کر رہی تھی۔ بھابی جان کے لیئے ایک
بیش قیمت ڈریسنگ ٹیبل، عمدہ فرنیچر۔ ان کی آرائش اور سنگھار کا سامان
اور ملبوسات زیورات سب کچھ ہونا چاہیئے۔ بظاہر شجیع ہنس ہنس کر
اس کی فرمائش پر خوشی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ لیکن ان کی باطنی دکھ
اور الجھن کا اندازہ لگانا دشوار نہ تھا۔! اس شام سے وہ مسلسل سگریٹ
پی پی کر خود کو نہ جانے کس قسم کا دلاسہ دینا چاہتے تھے۔ ان کی پیشانی

پر فکر کی شکنیں تھیں۔ رہ رہ کر وہ خشک لبوں پر زبان پھیرتے۔

روحی دل ہی دل میں پرویز پر خفا ہو رہی تھی۔ آخر وہ گھر کیوں چلا آیا۔ اس کا ہوسٹل کیا برا تھا۔ رافعہ تو خیر دو ایک دن رہ کے سسرال چلی جاتی۔ مگر پرویز کو کہاں بھگایا جاتا! وہ کوئی چھوٹا سا بچہ بھی نہ تھا۔ جو حالات کا ادراک نہ کرتا۔

آہستہ آہستہ شام ڈوبی۔ رات آئی اور روحی کے سر پر بلا آئی۔

رافعہ دوسرے دن آنے کا وعدہ کر کے جا چکی تھی۔ پرویز کا شاید کوئی اہم ٹسٹ تھا وہ دالان میں ٹیوب بلب کے عین نیچے کین چیر ڈال کر پڑھنے بیٹھ گیا۔

اور من من بھر کے قدم رکھتی وہ برآمدے تک پہونچی۔ آخری سرے پر انیکسی اور شیخ کا کمرہ تھا۔ وہ اپنے دروازے کے سامنے گارڈن چیر پر بیٹھے سگریٹ کے کش مار رہے تھے۔ شاید وہ بھی اس کرب سے گزر رہے تھے جس کرب کے سمندر سے گزر کر روحی یہاں تک آئی تھی۔

اندر باہر ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔

اور برآمدہ دھواں دھار ہو رہا تھا۔ جیسے آغاز سرما کا سارا دھند لکا وہیں اتر آیا ہو۔ تب اس نے سوچا کہ وہ اتنی کثرت سے سگریٹ کیوں پی رہے تھے۔ "آؤ۔ روحی۔ پاس آؤ۔ وہاں کیوں کھڑی ہو گئیں؟"

وہ پاس آئی اور کرسی پر ٹک گئی۔

شیخ نے بہت چپکے سے سانس لی تھی۔ مگر وہ بھاپ کی انی کی طرح

روحی کے دل میں تراز دہو گئی ۔ اس نے سر اٹھایا ۔ اس کی اور شجیع کی نگاہیں
مل گئیں ۔

آج اسے ان آنکھوں میں عجیب سے احساسات لہریں لیتے نظر آئے
اس سے نگاہیں ملیں وہ مسکرائے ۔ روحی نے پلکیں جھکالیں ۔

"کیا سوچ رہی ہو ۔ روحی ۔؟ اب تو کچھ سوچنے کو باقی نہیں رہا ۔"

"ابھی تو شروع ہی ہوا ہے ۔" وہ گلو گرفتہ لہجہ میں بولی ۔

"پرویز کی آمد نے تمھارے مسائل سنگین کر دئے ہیں شاید !۔"

"جی ہاں !"

"اور بڑے افسوس کی بات ہے کہ تمھیں مجھ پر بھروسہ بھی نہیں ہے ۔"

"آپ پر تو ہے لیکن خود پر نہیں ہے ۔" نہ جانے کیسے اس کی زبان سے
نکل گیا ۔ دوسرے لمحے فرط حیا سے وہ گڑ گڑ گئی ۔!

"خود پر قابو رکھو ۔ تمھارے مسئلہ کا یہی حل ہے ۔" انھوں نے کہا ۔

ان کی زندگی کا ایک ڈرامائی دور شروع ہو چکا تھا ۔

پہلی بار وہ شجیع کی خواب گاہ میں آئی تھی ۔ تب یکبارگی انھوں نے
بڑی عجیب اور غیر متوقع حرکت کی ۔ دیوانہ وار آگے بڑھے اپنی الماری
کھولی اور اس کی تجوری مقفل کر دی تھی ۔ پھر کنجی جیب کی گہرائی میں رکھ لی
روحی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں ۔ آخر انھوں نے اسے کیا سمجھا تھا

کیا وہ چور تھی۔ اتنی بدنیت تھی۔ ایسی گری پڑی تھی۔ وہ بھلا ان کی کسی قیمتی چیز پر بری نظر کیوں ڈالتی آخر انھوں نے اس کے سامنے اپنی تجوری لاک کیوں کر دی تھی۔ ان کی اس نمایاں حرکت سے اسے ناقابل برداشت صدمہ پہونچا۔ لیکن وہ چپ رہی اور کوشش کرتی رہی کہ اس کے دل کا درد آنسو بن کر آنکھوں میں نہ چھلکے۔ وہ ان کے سامنے خود کو سبک کرنا پسند نہیں کرتی تھی۔

شیخ نے جیسے کچھ محسوس ہی نہیں کیا۔ بدستور سیدھے سادے لہجے میں بولے۔

"آؤ۔ بیٹھ جاؤ۔ آج ہم ساری رات باتیں کریں گے۔ بشرطیکہ تمھیں بھی نیند نہ آئے۔۔۔ اور ہاں۔ کیا تم مجھ سے چند معمولی سی چیزیں لینا پسند کرو گی؟" اور اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر انھوں نے اٹھ کر الماری سے کچھ نکالا اور اس کے پاس رکھ دیا۔ بہت حقیر سا نذرانہ ہے۔ بتا سے تمھیں اچھا لگے کہ نہیں!" انھوں نے چند گرہیں کھولے کوئی لفافہ ادھیڑا۔

اس نے جھلملاتی نظروں سے دیکھا۔ ایک نفیس خوشنما ساڑی تھی اور ہلکے پھلکے زیوروں کا ایک سیٹ۔

"آپ۔ کہاں تک میرے ساتھ سلوک کرتے جائیں گے!" وہ مدھم لہجے میں بولی "آپ کے احسانات پہلے ہی ان گنت ہیں۔ میں آپ کے پاس رہتی ہوں۔ آپ کو دشواریوں میں بھی مبتلا کرتی ہوں اور۔۔۔!"

"لاحول ولا قوۃ۔ کیسی چھوٹی چھوٹی باتیں کرتی ہو رجی۔ بھلا یہ بھی

کوئی احسان ہے۔" وہ ہنس پڑے۔ "بھئی جیسا کہ پرویز نے کہا تھا۔ تم اس مردہ گھر کی روح بن کر آئی ہو تو۔ اب اس قسم کی مفکرانہ باتیں تمھیں نہیں کرنی چاہئیں۔!

"یہ سب کچھ بہت اچھا ہے۔" روحی نے کہا۔

"شکریہ۔ زہے نصیب۔" انھوں نے بڑے شوخ لہجے میں کہا۔ "وہ آپ انھیں خود سے پہنیں گی کہ۔ یہ زحمت بھی خاکسار ہی کو کرنی پڑے گی" انھوں نے ہنس کر کہا۔ اور سگریٹ ایش ٹرے میں ڈال کر زور زور سے دونوں ہاتھ ملنے لگے۔

"آپ لائے ہیں۔ آپ ہی پہنا دیجئے۔" وہ نہ جانے کیوں جذبات کے دھارے میں بہی جا رہی تھی۔ ہزار ضبط کے باوجود ایسی باتیں اس کے لبوں سے پھسل رہی تھیں۔ جن پر اسے اختیار ہی نہ تھا۔ جو شجیع کے خفتہ جذبات برانگیختہ کر رہی تھیں! لیکن ان کا ضبط اور برداشت کی طاقت روحی سے بہت زیادہ تھی۔ انھوں نے بڑی سادہ دلی سے اس کے ہاتھوں میں کنگن پہنائے اور اس کے ڈھیر بھر بال سمیٹ کر گلے میں نازک سا لاکٹ ڈال دیا۔!

روحی پتھر کی مورتی کی طرح بیٹھی رہی۔ جہاں جہاں شجیع کی انگلیاں اس کے بدن سے ٹکرائیں وہاں وہاں شعلے سے بھڑکنے لگے!۔ دفعتہً وہ ان کی بھاری گونجدار آواز سن کر ہوش کی دنیا میں واپس آئی۔

"انگوٹھی نہیں پہنا دوں گا۔ یہ تم خود ہی پہن لو۔"

"کیوں۔" وہ اس طرح خالی خالی آنکھوں سے انھیں تکنے لگی جیسے وہ

اس سے میلوں فاصلے پر ہوں۔!

"کیا تم نہیں جانتیں کہ جب مرد انگوٹھی پہناتا ہے تو اس کا مفہوم کیا ہوتا ہے۔"

"میں نہیں جانتی!" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ اور بے ضبط ہو کر اپنا ہاتھ ان کی طرف بڑھا دیا۔ شجیع کے چہرے پر سرخی سی ابھر آئی۔ انھوں نے اس کی انگلی میں انگوٹھی پہنا دی اور اپنے دونوں ہاتھوں میں اس کا سرد و لرزیدہ ہاتھ دبا لیا۔

"روحی میں نہیں جانتا بعض جذبوں پر انسان کو قابو کیوں نہیں ہوتا۔" ان کا لہجہ بکھر رہا تھا۔ "تم بھی ایسے اعصاب شکن دور سے گزری ہو۔ یا۔ یہ صرف میں ہی محسوس کرتا ہوں۔"

"مجھے کچھ پتہ نہیں۔" اس کا ہاتھ ان کے ہاتھوں میں مچلا۔ لیکن ان کی گرفت مضبوط ہو گئی۔

"میں نہیں سمجھ سکتا۔ اس خطرناک کھیل کا انجام کیا ہوگا۔" انھوں نے کہا۔ "زندگی میں پہلی ہی دفعہ۔" وہ رک گئے۔ "میں نے تم سے کہا تھا کہ آؤ ہم اپنی باتیں کریں۔ لیکن میں سب کچھ بھولتا جا رہا ہوں۔ میرے دماغ پر ایک دھند سی چھا رہی ہے۔ میں شاید۔ خود پر۔ قابو بھی نہ رکھ سکوں گا۔ اچھا۔ روحی۔ تت۔ تم۔ ادھر۔ سو جاؤ۔ گھبراؤ نہیں۔ میں انسانیت کی تقدیس و عظمت جانتا ہوں۔ شب بخیر۔"

انھوں نے ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ چھوڑا اور اس کے پہلو سے اٹھ گئے۔ روحی پر کھولتا ہوا سیلاب چڑھا آ رہا تھا۔ اس کی زندگی کا بھی یہ پہلا

مو تو تھا۔ اجنبی گرم ہاتھوں کے ہیجان خیز لمس نے اسے ہوش وخرد سے یکسر بیگانہ کر دیا تھا۔ بس وہ یہی سوچے جا رہی تھی۔ شاید یہ غرضی کھیل ایک ہولناک اہمیت نہ اختیار کرے!۔ لیکن اس نے خود پر قابو پانے میں دیر نہ کی۔ اب وہ ان کی طرف دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔ شمیم نے اپنے بستر پر لیٹ کر سینے تک کمبل کھینچ لیا۔

روحی کے گھٹنے کانپ رہے تھے۔ وہ بمشکل اٹھی اور اپنے بستر کی طرف بڑھ گئی۔ بڑی پرتشویش سچوئیشن تو اس وقت پیدا ہوئی جب شمیم نے تیز روشنی بجھا دی۔! اور اسی وقت ایک بے اختیار چیخ روحی کے ہونٹوں تک آ کر اٹک گئی۔!

"روشنی کیجئے۔" وہ یوں ہانپ رہی تھی جیسے میلوں دوڑ لگا کر آئی ہو

"روشنی میری آنکھوں میں لگتی ہے!" شمیم نے جواب دیا۔

"مجھے اندھیرے سے ڈر لگتا ہے" روحی بولی۔ اس کی آواز کی کپکپاہٹ ان سے چھپی نہ رہی۔ انھوں نے پھر روشنی کر دی۔ بستر پر سے اٹھے اپنا تکیہ اور کمبل لیا اور برآمدے میں نکل آئے۔

"وہاں تو سردی ہوگی" روحی نے کہا۔

"ہاں۔ مگر۔ یہاں تم تو آرام سے سو سکو گی" انھوں نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔ اور برآمدے میں نکل گئے۔

"او میرے اللہ" روحی کو پھوٹ پھوٹ کر رونا آیا۔ تقدیر کا ایسا مذاق مجھ سے۔ آخر کب تک۔ میں ایک شریف انسان کو کتنا پریشان کر رہی ہوں۔ میری زندگی خود بھی کتنے نادیدہ خطروں میں گھر گئی ہے۔ اس

ہمارے قرضی شکنجہ سے کب نجات ہوگی۔ اے خدا اگر اقبال زندہ ہوں تو انھیں جلد میرے پاس بھیج دے۔ یا پھر مجھے بھی ان کے پاس پہنچا دے۔

وہ دیر تک بستر پر بیٹھی روتی رہی۔ نیند اس سے خفا تھی۔ چین و آرام اس سے روٹھ چکا تھا۔ سکون اس کے نصیب سے اڑ چکا تھا۔ بس وہ مدھم اجالے میں اسکے بار آمدے کو تکتی رہی۔ جہاں شیخ تھے۔ شاید وہ بھی جاگ ہی رہے تھے۔ بار بار وہ ان کے سگریٹ لائٹر کے جلانے بجھانے کا مدھم سا کھٹکا سنتی رہی۔ اور رہ رہ کر ہوائیں تمباکو کی خوشبو اس تک پہنچا رہی تھیں ان کی بے خوابی کا اس سے گلہ کر رہی تھیں۔!

اور بس۔ اس طرح۔ رات کی تاریکی نے صبح صادق سے الوداع لی۔!

شیخ ابھی تک اپنے بستر پر بیٹھے دیوار سے ٹیک لگائے سگریٹ پی رہے تھے روحی چپکے سے نکل آئی۔ اور خانساماں کے ہاتھ بٹانے کے لئے کچن میں پہونچ گئی۔

ناشتے پر شیخ موجود تھے۔ پرویز نے چہک کر روحی کا استقبال کیا۔! روحی۔ ناشتہ کرنے کے بعد۔ ہم باہر چلیں گے" شیخ نے کہا "میری طبیعت کچھ مکدر ہو رہی ہے۔!

"جی۔" وہ چپکے سے بولی۔

میں بھی چلوں بھائی جان" پرویز نے پوچھا۔

"نہیں۔"

ہاں اب آپ اپنے ساتھ ایک دم چھلا کیوں برداشت کریں گے۔"

اس نے برا مانا۔

بڑی خاموشی سے ناشتہ ختم ہوا۔ روحی پھر گوناگوں اندیشوں میں گھر گئی
معلوم نہیں۔ اب وہ کیا کہیں گے۔ روحی شجیع کی طرف دیکھتے ڈر رہی تھی۔
ان کے چہرے پر برہمی کی پرچھائیاں نظر آ رہی تھیں۔ آنکھیں سرخ اور ہونٹ
لرزتے ہوئے۔ وہ بہت جھلائے ہوئے تھے!۔ ناشتے کے بعد وہ کسی
سے مخاطب ہوئے بغیر اٹھ کر چلے گئے۔!

بھائی جان اتنے غصے میں کیوں معلوم ہو رہے ہیں؟" پرویز نے سرگوشی
میں پوچھا۔

پتہ نہیں۔ شاید رات کو نیند نہیں آئی۔ وہ ہولے سے بولی۔

نیند نہیں آئی" پرویز نے دہرایا۔ پھر سر ہلا کر بولا" اچھا اچھا۔ میں
سمجھ گیا۔

کیا سمجھ گئے۔! روحی نے حواس باختگی سے پوچھا۔

"جی نہیں میں کچھ نہیں سمجھا۔ معافی چاہتا ہوں۔ معلوم نہیں میں کیا کہہ رہا
تھا اور کیا کہہ گیا۔؟"

تھوڑی دیر بعد گھر میں پھر سناٹا چھا گیا۔ پرویز جا چکا تھا۔ اور شجیع
اپنے کمرے میں غالباً اس کے منتظر تھے۔ لیکن تھوڑی دیر کے لئے ان کا خیال
دل سے نکال کر وہ ادیب احمد کو خط لکھنے بیٹھ گئی۔ چند سطریں لکھی تھیں۔
مگر انھیں دوبارہ پڑھا تو وہ کچھ سراسیمہ سی ہونے لگی۔ ہر سطر میں کسی نہ کسی
پیرایہ میں اس نے شجیع کا نام لکھا تھا۔ ان کا تذکرہ کیا تھا۔ خط اس نے
پیڈ کے نیچے چھپا دیا اور سردی میں بھی پھوٹ آنے والے پسینے کو ماتھے سے
پونچھنے لگی!۔ وہ غیر ارادی طور پر ان کی پرکشش شخصیت کے تصور میں گم

ہوتی جا رہی تھی۔

ملازم لڑکا دروازے میں کھڑا سرکار کی طلبی کا پیغام سنا رہا تھا۔
اس نے جلدی جلدی لباس تبدیل کیا۔ اور سر پر آنچل برابر کرتی باہر نکلی
دالان میں وہ کھڑے تھے! ایک نظر اس پر ڈالی اور باہر مڑ گئے۔
ردحا کو انجانی زنجیر نے کھینچ کر ان کے پیچھے کر دیا۔
وہ اسے ایک پارک میں لے آئے! دن کے دس گیارہ بجے تھے
پارک میں ہر طرف سناٹا تھا۔ اکا دکا مالی درختوں کے پیچھے نظر آ رہے تھے
اور چاروں طرف خاموشی تھی! درختوں کی تیز چکا چوند کر دینے والی سبزی
مختلف رنگین پھولوں کی بہتات۔ ان کی ملی جلی خوشبوئیں اور سناٹے
اور خاموشی کا جذبات خیز امتزاج عجیب تھا۔ ردحا گم صم سی ایک جگہ
کھڑی رہی۔ شبیہ نے ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا لی اور اسے
اس طرح دیکھنے لگے جیسے وہ پہلی بار دکھائی دی ہو۔
یہاں آؤ۔ انھوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ لیکن وہ خود میں گم
جوں کی توں اپنی جگہ کھڑی رہی تھی۔ جیسے قدم زمین پر گڑ گئے ہوں۔ شبیہ نے
کندھے پر پڑا ہوا مفلر کا پھندا اس کی کمر پر پھینکا اور اسے اپنی طرف کھینچ
لیا۔ وہ مسحور و مبہوت سی ان کے بازو سے آ لگی۔!
بہت اچھی لگ رہی ہو۔ ان کی بھاری سرگوشی اس کے دل میں گونجی۔
اس لباس میں تو ایسی معلوم ہوتی ہو جیسے گلستانِ فردوس کا کوئی محصہ
آسمانوں سے میری آغوش میں آ گیا ہو۔!"
"آپ بھی بنانے لگے!"

بالکل نہیں۔ کیا تم آئینہ نہیں دیکھتیں؟!" انھوں نے اسے اور قریب کرلیا۔

"آپ کی نگاہوں سے نہیں دیکھتی!"

"اوہ۔ روحی۔ میں خود کو بڑی مشکل سے یقین دلاتا ہوں کہ میں تم سے متاثر نہیں ہوں۔ تمھاری شخصیت کا سحر مجھ پر طاری نہیں ہوا ہے۔ اور تم کبھی مجھ سے جدا ہو جاؤ گی تو میں تمھیں بالکل یاد نہیں کروں گا۔ اسی طرح زندگی گزارنے لگوں گا جس طرح پہلے گزارتا تھا۔ مگر۔ مگر۔ میں یہ سب کچھ باور نہیں کرسکتا۔ میں۔ میں تو ڈرتا ہوں۔ روحی۔ کون سی گھڑی وہ آئے گی۔ جو تمھاری جدائی کا پیغام لے آئے گی۔ کیا مجھے اس ہونے والے وقت کے لئے تیار نہیں رہنا چاہئے۔

ان کے بازو کے حلقے میں قید روحی کا وجود لمحہ بہ لمحہ پگھل رہا تھا وہ ان کے بش اوور کے بٹن سے کھیلتی ہوئی بڑے سبھاؤ سے لہجے میں بولی۔

"آدمی پر عجیب عجیب وقت پڑتے ہیں۔ ان کا سامنا تو کرنا ہی چاہئے روحی۔؟"

جی!۔ وہ سر اٹھا کر ان کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی کیا سچ مچ تم مجھ سے جدا ہو جاؤ گی۔؟"

ملنا اور جدا ہونا اپنے بس کی بات تو نہیں ہے۔

تمھارے بس کی نہ ہوگی۔ لیکن میرے اختیار کی بات تو ہے۔

میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔

روحی۔ مجھے تم سے کہتے شرم آتی ہے لیکن۔ لیکن۔ میں تم سے سچ

کہتا ہوں کہ میں۔ پچھلی رات کو ایک لمحہ کے لئے بھی نہ سو سکا۔!
کیوں۔؟" اس نے محجوب ہو کر پلکیں جھکا لیں۔ دفعتہً گرم گرم خون
اس کے رخساروں پر اکٹھا ہو گیا۔
"روحی سنو۔ جو چیز انسان کو نہیں ملتی وہ اس کے حصول کے لئے اتنا
بے قرار نہیں ہوتا۔ لیکن جو چیز انسان کے پاس ہوتی ہے اور وہ اسے حاصل
نہیں کر سکتا۔ تب کی بیقراری ناقابل برداشت ہوتی ہے۔"
جواب میں روحی نے بڑے معصوم انداز میں کہا۔" آپ اندر آ کے
سو جاتے مجھے بہت برا لگ رہا تھا کہ آپ سردی میں میوحجاب کے لیٹ
گئے تھے۔ رات بھر میں بھی تو نہیں سوئی۔!"
"لیکن تمھیں تو مجھ سے ڈر لگ رہا تھا۔! شجیع نے کہا۔
" اب نہیں لگے گا۔ آپ تو فرشتہ ہیں۔!
" ایسا مت کہو۔ شجیع نے ایک گہری سانس لی۔" میں نے کبھی نہیں سوچا
کہ میں فرشتہ ہوں۔ روحی۔ میں آدمی ہوں، کمزور بے بس۔ حالات کے
سامنے گھٹنے ٹیک دینے والا مجبور آدمی۔ میں غلطیاں بھی کر سکتا ہوں
مجھ سے گناہ بھی سرزد ہو سکتے ہیں۔ روحی۔ کیوں۔ نہ تم۔ مجھے کمزوریوں
سے خطاؤں سے۔ اور گناہوں کے جنجال سے بچا لو۔!"
مگر ـــ!"
اگر۔ مگر کچھ نہیں روحی۔ اگر مگر کچھ نہیں۔" انھوں نے اسے اپنی
طرف سمیٹا اور اس کی معصوم پیشانی پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔!
اب گھر چلیئے پروفیسر صاحب!" وہ چپکے سے ان کی گرفت سے

نکل گئی۔!

"یہاں کیا برے ہیں؟"

"یہاں۔ آپ۔" وہ رک گئی۔

"یہاں میں پاگل ہو رہا ہوں۔ یہی کہنا چاہتی ہو۔؟"

"پروفیسر صاحب۔ آگ بڑی جلدی لگ جاتی ہے۔ لیکن آگ کا بجھانا بڑا مشکل ہوجاتا ہے۔ یہ نہیں سوچا آپ نے۔؟"

اس کا ذمہ دار کون ہے۔ یہ نہیں سوچا تم نے۔؟

اس مشکل کا ایک حل ہے۔ لیکن وہ آپ کو گوارہ نہ ہوگا۔

کون سا حل ہے؟

پرویز صاحب کو واپس ہوسٹل بھجوا دیجئے۔ پھر کوئی دشواری نہ رہے گی۔

"اگر تم پسند کرو تو ہماری ساری دشواریاں دور ہوجائیں گی۔"

اچانک وہ بچوں کی طرح ٹھنکی۔ "میرے پاؤں دکھ رہے ہیں۔ زیادہ دیر تک کھڑی نہیں ہو سکتی۔!

شجیع ایک بنچ پر جا بیٹھے۔ وہ بڑی بے تکلفی سے ان کے پاس بیٹھ گئی اور اپنے برف ایسے ہاتھ ان کے ہاتھوں پر رکھ کر ہنس پڑی۔ دیکھئے مجھے سردی بھی تو لگ رہی ہے۔ آپ کو نہ جانے یہاں بیٹھتے کیا اچھا لگ رہا ہے۔ گھر پر بند کمرے میں بیٹھ کر باتیں کرتے تو کتنا اچھا لگتا۔!

لاؤ۔ میں گرم کردوں تمھارے ہاتھ۔ وہ اس کی سادگی پر مسکرائے یہ نہیں سمجھا کہ اس طرح اس نے ان کے تپتے ہوئے جذبات پر بھی برف ڈال دی تھی۔!

کسی اچھے سے ہوٹل میں چلیں" شجیع نے پوچھا۔

توبہ توبہ۔ ہوٹل بھی کوئی شریفوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔!

تو پھر۔

گھر چلیے۔!

تو تم نہیں مانو گی۔ روحی۔؟

اور تب وہ یکبارگی بہت اداس ہو گئی۔ "آپ جن باتوں کے جواب مجھ سے مانگ رہے ہیں۔ پروفیسر صاحب۔ وہ میرے بس میں کہاں ہیں۔ آپ سے تو میں نے کہا تھا کہ میں نے کبھی اقبال کو مرحوم نہیں سمجھا۔ آپ ہی بتائیے نہ وہ آپ کو لاشوں میں ملے نہ زخمیوں میں۔ پھر وہ کہاں گئے۔ اگر وہ کہیں زندہ ہوں اور واپس آ جائیں تو پھر۔ کیا کہیں گے مجھ سے کہ روحی تو نے میرا اتنا سا انتظار بھی نہ کیا۔ اتنی بے صبر نکلی۔ تب کیا جواب دوں گی میں انھیں۔؟"

ایک سایہ سا پروفیسر شجیع کے سنجیدہ چہرے پر محیط ہو گیا۔ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئے۔ اور پھر روحی کے چہرے سے نظریں ہٹا کر خلا میں دیکھنے لگے۔!

یہ پاگل حساس اور جذباتی لڑکی۔ ابھی تک اس خوش فہمی میں گرفتار ہے کہ اس کا منگیتر کہیں زندہ موجود ہے۔ وہ حقیقت سننا پسند نہیں کرے گی۔ اور حقیقت اسے زندہ بھی نہیں چھوڑے گی۔ اب تو وہ اپنی امید و یقین کی خود ساختہ جنت میں اس کی منتظر ہے۔

اس کے بعد شجیع کا عیش مکدر ہو گیا۔!

گھر واپس آئے۔ تورانفہ نے لپک کر ان کا استقبال کیا۔ پرویز بھی اپنا ٹسٹ دے کر چلا آیا تھا۔! رافعہ بولی۔

"بھائی جان آپ نے تو ولیمہ کا ڈنر نہیں دیا۔ اب میں آپ کے اور بھابی کے لئے خود بلاؤ پکار رہی ہوں۔"

"اچھا اچھا۔ ولیمہ ڈنر ہے۔" شجیع نے اوپری دل سے ہنس کر کہا۔

"پھر ہم تحفے خرید نے جائیں گے۔!" پرویز نے خوش ہو کر کہا۔

"تحفے؟!" شجیع نے پوچھا۔

"اور بھائی جان اس دن جو میں نے سامانِ جہیز کی فہرست لکھی تھی اس کے پیسے بھی مجھے دیجئے" رافعہ بولی "میں ہی لے آؤں۔ آپ تو بس یونہی ٹال مٹول کرتے رہیں گے!"

"سامان جہیز؟" شجیع نے کہا "میں کیوں منگواؤں بھی۔ یہ تو لڑکی لاتی ہے تم اپنی بھابی محترمہ سے فرمائش کرو۔!"

"ہائے بھائی جان۔ اتنا بھی ظلم" رافعہ تڑپ کر بولی "وہ کہاں سے دیں گی اچھا چلئے۔ میں لڑکی والی بنی جاتی ہوں۔"

"میں بھی بنا جاتا ہوں۔" پرویز اپنی بہن کی کمک پر آیا۔

"بس تو ٹھیک ہے" شجیع نے جواب دیا۔ "لڑکی والے مل کر جہیز دیں گے اب میری فرمائش بھی سن لو۔"

"کیا کیا؟" دونوں چیخے "آپ فرمائش کریں گے۔؟"

"لڑکی والوں سے فرمائش کر کے جہیز لینے کا رواج ہے" شجیع نے کہا "لہٰذا مجھے ایک ہیرے کی انگوٹھی اور نئے ماڈل کی کار چاہئے۔"

"ہائے اللہ بھائی جان"۔ رافعہ نے اپنے گال تھام لیے۔

"ہائے اللہ سے بالکل کام نہ چلے گا۔!

کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ پرویز بولا۔ آپ اپنے چیک پر صرف دستخط کر دیجیے۔ رقم میں خود بھر لوں گا۔ شام تک کار اور انگوٹھی آپ کو مل جائیگی۔!

ان لوگوں میں ہنسی مذاق ہوتا رہا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد شیخ اپنی لائبریری میں چلے گئے!۔ اور یہ تینوں دالان میں آ بیٹھے۔ تبھی کسی نے کال بل بجائی تھی۔ پرویز اٹھ کر باہر گیا اور دروازہ کھولا۔ ایک لحیم شحیم عرب شیخ سفید عبا پہنے عقال و مندیل سے لیس کھڑے تھے۔ پرویز کچھ مرعوب ہو گیا۔

شیخ صاحب گھر پر ہوتا۔؟ انھوں نے گونجیلی آواز میں پوچھا۔

جی جناب"۔ پرویز نے کہا۔

ہم ان سے ملتا! "شیخ صاحب بولے اور پیچھے مڑ کر ٹیکسی ڈرائیور کو اپنا سامان اتارنے کا حکم دیا۔

جناب کا اسم گرامی۔؟" پرویز نے پوچھا۔

گرامی اور امی کیا۔ تم فارسی بولتا۔ وہ ہنسے "ہم جلدی میں ہے۔ شیخ صاحب سے ہم خود مل لیتا ہے۔ انھوں نے بڑی بے تکلفی سے اندر قدم بڑھا دیے۔

ارے ارے جناب۔ آپ کہاں جا رہے ہیں۔ پرویز چیخا۔ مگر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے چلے ہی دئے۔ رافعہ اور روحی سامنے ہی تھیں۔ انھوں نے ایک بھاری بھرکم عرب کو دیکھا کہ سر ہی پر چڑھا آرہا ہے۔ وہ

بے تحاشہ چیخیں اور اٹھ کر اندر بھاگ گئیں۔ عرب نے زور دار قہقہہ لگایا۔

اتنے میں گڑبڑ سن کر شجیع لائبریری سے باہر آئے۔!

ہائیں۔ آپ کون ہیں؟" انھوں نے کچھ حیرت اور بڑے غصے سے پوچھا

ہم عرب کا شیخ" انھوں نے جواب دیا۔ ادھر آتا۔ اور تمھارا انگریزی بنانا مانگتا

دلے۔ آں موصاحت ہم کو دیکھ کر اندر بھاگ جاتا۔!

'خدا کی پناہ۔! ادیس۔ یہ تم ہو۔! شجیع کے منھ سے نکلا۔

پہچان لیا تم نے" ادیس احمد نے قہقہہ لگایا۔ دونوں آپس میں لپٹ

گئے۔ ایرویز بھکا بکا تھا۔ پھر وہ دیوانوں کی طرح چلانے لگا۔!

ارے بھابی۔ رافعہ جلدی باہر آؤ۔ یہ تو ادیس بھائی ہیں" پھر وہ

بھی ان سے زبردستی چمٹ گیا۔

اماں یہ کیا حلیہ بنایا ہے۔ شجیع نے انھیں سر سے پاؤں تک گھورتے

ہوتے ہوئے کہا۔

ہمارا قومی لباس ہوتا۔ ادیس بولے۔

بخدا۔ میں نے تمھیں آواز سے پہچانا۔ بہت بدل گئے ہو۔ بہت

موٹے بھی ہو گئے ہو۔" شجیع بے حد خوش تھے۔

روحی اور ادیس کی ملاقات بڑی متاثر کن تھی۔ رافعہ بھی شرمائی شرمائی

ان سے ملی۔ ادیس نے اپنا لباس اتار دیا۔ پرویز کو ہنسی آگئی۔ وہ اندر

پتلون قمیص پہنے ہوئے تھے۔ سب اطمینان سے بیٹھے تو مختلف باتیں

شروع ہوئیں۔ روحی اور رافعہ کچن کی خبر لینے بھاگیں۔

تم نے اپنی آمد کی کوئی اطلاع ہی نہیں دی" شجیع نے کہا پھر ایک

ساتھ دو سگریٹ سلگائے۔ ایک ادیس کی طرف بڑھا دیا۔

ہم تمھیں سرپرائز دینا مانگتا تھا۔"

سیدھی سی اردو بولو۔ یار۔ عرب ہرگز ایسی زبان نہ بولتے ہوں گے۔

کسی خالص عرب کو اردو بولتے سنو۔

تم خالص عرب نہیں ہو۔!

پسند نہیں آئی میری عربی۔

عربی ہو بھی تو۔!

اچھا اب سیدھی زبان بولوں گا۔!

سامان سب اتروالیا۔؟

ہاں۔ پرویز سے کہہ دیا تھا۔ اتروا رہا ہوگا۔ مختصر سا سامان ہے۔

کتنے ہفتوں کے لیے آئے ہو۔!

چھ ہفتوں سے زائد ویزا نہیں مل سکا۔ یار ـــــ یہ اقبال بیچارہ

سنو! ابھی تک روحی کو اس کی موت کا یقین نہیں آیا ہے۔ میں

نہیں چاہتا کہ اسے حقیقت بتائی جائے۔ اسے صدمہ پہنچایا جائے

رفتہ رفتہ جب وہ نارمل ہو جائے گی تب ـ یہ بات اس سے کہہ دی جائیگی!

یار شجیع تم سے مل کے بہت خوشی ہوئی۔ پرانے زمانے آنکھوں میں

پھر گئے۔ وہ تمھارا اقبال کا اور میرا ساتھ۔ کاش اسے قضا نے نہ لگی ہوتی

ہاں۔ یہ ماموں ابا نے کیا گھپلا کیا تھا۔ بے چاری روحی کو دربدر ہونا پڑا

" اس کا میرے پاس آنے کو تم دربدر ہونا کہتے ہو۔ شجیع نے برا مانا

" مطلب یہ کہ۔ وہ کچھ اچھے حالات میں تم تک نہیں آئی۔ اوس نے

کہا۔ سارا حال مجھے بے چاری سارہ نے لکھ بھیجا تھا۔ اس پر افضال نے بڑا ظلم کیا۔ اسے مارا پیٹا۔ اور اس کی تعلیم رکوا دی۔ یہ افضال نہ جانے شروع ہی سے اتنا گدھا کیوں ہے۔ اماں سنو۔ شجیع۔ میں چاہتا ہوں کہ کچھ عرصہ کے لئے ماموں ابا اور ممانی اماں کو بھی یہیں بلوا لوں۔ میں اگر حیدرآباد کا قصد کروں گا تو اتنے دن بیکار جائیں گے۔ اب تو میں سوچتا ہوں۔ کہ ایک ایک لمحہ تمہارے ساتھ گزاروں گا۔ تم یونیورسٹی سے مہینے ڈیڑھ مہینے کی چھٹی لے لو۔!"

ضرور ضرور" شجیع نے ان کی پیٹھ تھپکی۔ تمہاری رفاقت سے مجھے بھی جی بھر کے سیر ہونا ہے۔ ابھی درخواست لکھ کر بھجواتا ہوں۔"

اویس احمد کی آمد نے روحی کی زندگی ایک پر مسرت انقلاب سے دوچار کر دی۔ ابھی تک وہ بھنور میں چکرا رہی تھی۔ ساحل مراد تو اسے اب ملا تھا۔ اسے کامل یقین تھا۔ اویس احمد اس کے مستقل سکون و اطمینان کیلئے ضرور کوئی ٹھوس قدم اٹھائیں گے۔! اس نے سارے حالات سے انھیں آگاہ کر دیا تھا۔!

لیکن اویس احمد جو پہلے کے سے سطحی اور ناتجربہ کار نہیں رہے تھے۔ انھوں نے بڑی سرد مہری سے اس سے کہا۔

"ہاں وہ تو میں سمجھ گیا۔ کہ تم نے سارہ کی حوصلہ افزائی پر اتنا بڑا رسک لیا

تھا لیکن ۔ میں پوچھتا ہوں کہ کسی جواز کے بغیر تم نے ایک غیر شخص کی رفاقت کیسے قبول کرلی ؟"

بھائی جان تو پھر میں افضال احمد کی سختی اور ظلم برداشت کرتی ؟" اس نے احتجاج کیا ۔" آپ کو تو معلوم ہے وہ کیسے آدمی ہیں ۔"

روحی فرض کرو کہ شجیع اتنے شریف ۔ اتنے نیک اور ایسے وسیع الظرف نہ ہوتے تو پھر تمھارا کیا حشر ہوتا ۔؟"

وہ کانپ کر رہ گئی ۔ ادیس احمد نے پھر کہا ۔ اور اب ۔ بڑے نازک موقف کے پل صراط پر سے جو تم گزر رہی ہو ۔ وہ بھی تمھارے حق میں سودمند نہیں ۔ مجھ سے شجیع نے بھی سارے واقعات بیان کئے ہیں ۔ وہ اتنے بلند کردار کے مالک ہیں کہ اپنی فرضی شادی کی بات بھی انھوں نے مجھ سے نہیں چھپائی تعجب ہے کہ افضال سے تم اس درجہ خائف تھیں ۔ تم نے گھر سے بھاگنے اور فرضی شادی کرنے کا اتنا بڑا رسک لیا ۔ کیا تم افضال کو یہ جواب نہیں دے سکتی تھیں کہ میں اپنے بھائی کے آنے کے بعد ہی کچھ کہہ سکوں گی ۔"

ان کی لعنت ملامت سے وہ بری طرح رو پڑی ۔ ادیس احمد زیادہ نرم دل نہیں تھے ۔ وہ قطعی متاثر نہیں ہوئے ۔

روحی تم تعلیم یافتہ ، سمجھدار اور بالغ ہو ۔ انھوں نے خشک لہجہ میں کہا رونا دھونا جاہل لڑکیوں کا کام ہے ۔ باشعور لڑکیاں مشکل کا حل خود ڈھونڈ نکالتی ہیں ۔

"میں کیا کروں بھائی جان ۔؟"

" روحی سنو ۔ شجیع میرا نہایت پیارا بے حد مخلص وہ واحد دوست

ہے۔ جس کے مقابلہ میں میں تمھاری طرف داری اور تائید ہرگز نہیں کروں گا۔ وہ مجسم نیکی مجسم محبت اور مجسم ایثار ہے۔ تم سمجھیں۔ تم نے اسے ایک نہایت کرب انگیز خلفشار میں مبتلا کر دیا ہے۔ وہ بھی تمھیں سزاوار نہیں ہے روحی۔ میں بالکل دو اور دو چار کی باتیں پسند کرتا ہوں۔ میں حق وانصاف کی بات میں کبھی تمھاری بے جا تائید نہیں کروں گا۔ اسے تم اچھی طرح گرہ میں باندھ لو۔"

روحینہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انھیں دیکھنے لگی۔

کیا میں نے غلطی کی بھائی جان۔" اس نے بمشکل پوچھا۔

یہ تم مجھ سے پوچھ رہی ہو۔؟

بھائی جان۔ میرے خیالات آپ سے مختلف ہیں۔" روحی نے کہا۔" آپ مت یاد رکھیے کہ جدید تعلیم نے مجھے ترقی پسند یا مذہب سے بیگانہ بنا دیا ہے۔ مجھ میں بہت پرانی روح ہے۔ اور میں۔!

"تمھاری تقریر کا مطلب میں نہیں سمجھا۔؟"

آپ بتایئے نا۔ جب میں اس ہستی کو زندہ سمجھتی ہوں تو پھر۔ میں کس طرح افضال بھائی کی زبردستی پر سر جھکا دیتی۔؟" روحی کا لہجہ تیز تھا۔

افضال بھائی گئے جہنم میں۔ انھیں اپنی باتوں میں کیوں گھسیٹ لائی ہو" ادیب احمد نے بھی تیز ہی لہجے میں کہا۔

اب اپنا مطلب آپ سمجھایئے۔" وہ بگڑ گئی۔

پاگل۔ تم اقبال کو بھول جاؤ۔ یوں سمجھو کہ وہ تمھاری زندگی میں آئے ہی نہیں تھے۔"

"اوہ - اپنے جگری دوست کے متعلق آپ کے ایسے ظالمانہ خیالات ہیں۔"

"میں تمھیں کیسے سمجھاؤں روحی۔ کہ اب اقبال اس دنیا میں نہیں ہیں۔
"تو پھر وہ کہاں گئے"۔ نہ تو لاشوں میں ملے نہ زخمیوں میں۔"
یہ تم سے کس نے کہا ہے وہ کہیں نہیں ملے۔؟"

"پروفیسر صاحب نے کہا تھا۔ ان کا خط بھی تو گیا تھا افضال بھائی کے نام۔ وہ میرے پاس اب بھی موجود ہے۔ کہئے تو آپ کو دکھاؤں۔"

پروفیسر صاحب بھی گھانس کھا گئے ہیں۔ اور تم انتی احمق ہو۔ تمھاری کھوپڑی خالص عورتوں کی ٹائپ کی ہے۔ سیدھی اور معقول بات تمھاری سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اور میرے دماغ میں اتنی طاقت نہیں کہ میں تم سے سر پھوڑوں۔ بہت اچھا۔ تمھیں اپنی بے ڈھنگی رفتار مبارک میں چلا جاؤں گا ڈیڑھ ماہ بعد واپس۔ اس کے بعد جو تمھاری مرضی ہو۔ وہی کرو۔ نکال دو اپنی عزت و آبرو کا جنازہ۔" اویس احمد بڑے غصے میں اٹھ کھڑے ہوئے اور تب۔ میں نہیں کہوں گا کہ تم میری بہن ہو۔ تم بھی کوئی واسطہ مجھ سے نہ رکھنا۔ بس میں کہہ چکا۔

وہ پاؤں پٹختے ہوئے چلے گئے۔ اور حسینہ صدمہ کے مارے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اسے اپنے بھیا سے نہ جانے کیا کیا توقعات تھیں سب ریت کے گھروندے کی طرح بکھر گئیں۔ تب۔ اس کے دل میں شمیم کی محبت جاگی۔ انھوں نے اب تک اس کی دلدہی کی تھی۔ اس کا ساتھ دیا تھا۔ اس کے آنسو پونچھے تھے۔ مگر یہ حقیقی بھائی تھے۔ جو!۔

رافعہ پاس آبیٹھی "کیا ہوا بھابی۔ تم سے ادیس بھیا زور زور سے کیا کہہ رہے تھے۔؟

میرے نصیب۔ رافعہ" اسکی دلدہی پر رحبینہ بے قابو ہو گئی۔

بھابی ایک بات پوچھوں مگر تم رو رہی ہو۔!

"پوچھو"

"کیا تم میں اور بھائی جان میں بھی کچھ چلی ہے۔ تم رات کو یہاں نیچے کمرے میں سوئی تھیں۔ میں پانی پینے اٹھی تھی۔ تب دیکھا تھا کہ بھائی جان بھی برآمدے میں ٹہل رہے تھے۔ سوئے وہ بھی نہ تھے۔"

رحبینہ کا سر چکرا گیا۔ وہ کچھ نہ بولی۔

رافعہ پھر بولی "ابھی ابھی بھائی جان یونیورسٹی سے آئے ہیں۔ کہہ رہے تھے کہ اچانک ان کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔

سچ مچ۔ بہن۔؟" رحبینہ نے جلدی سے آنسو پونچھ لیے۔

ہاں۔ ان کے سر میں بہت درد ہے۔ بری طرح کراہ رہے ہیں۔

میں ان کے پاس جاؤں۔ کون کون ہے وہاں۔"

ادیس بھائی اور پرویز بھیا ہیں۔ تم چلو بھابی۔ ضرور چلو۔"

ادیس کی موجودگی میں رحبینہ کو شجیع کے پاس جاتے بڑی شرم لگ رہی تھی — وہ تو اس کے سارے حالات سے واقف تھے۔ لیکن پرویز، رافعہ کے سامنے اپنی پوزیشن نبھانی بھی تو تھی۔ وہ رافعہ کے ساتھ باہر گئی شجیع تنہا اپنے بستر پر پڑے تھے۔ پرویز ڈاکٹر کو بلانے گیا تھا — ادیس اخلاق کو اپنے کاغذات کی ضروری ارجنسی کے سلسلے میں دفعتہً "گھنٹہ

پولیس کے آفس جانا پڑ گیا تھا۔ کمرے میں انھیں اکیلے دیکھ کر رافعہ بھی دہلیز کے پاس ہی سے کھسک گئی۔!

جبراً و قہراً ردحی آگے بڑھی اور ان کے پہلو میں پڑی کرسی پر ٹک گئی۔

آپ کو کیا ہوا۔ ابھی صبح تک تو آپ اچھے بھلے تھے۔ اس نے پوچھا۔ شجیع نے ویک طویل سانس لیکر اسے دیکھا اور جواب دینے کی بجائے سرہانے سے سگریٹ کیس اور لائٹر اٹھا لیا۔

نہیں۔!" تبھی ردحی نے ان کے ہاتھ پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے۔" واپس رکھ دیجیئے۔ اب نہیں پینے دوں گی۔!"

تمھیں میری بہت فکر ہے ردحی!" وہ عجیب انداز میں ہنس دیئے

میری اتنی سی بات آپ کو ماننی ہی پڑے گی!" اس نے ضد کی

اچھی بات ہے۔ لو رکھ دیئے واپس۔ انھوں نے دونوں چیزیں پھر سرہانے رکھ دیں۔

" رافعہ نے کہا تھا۔ کہ آپ کے سر میں بہت درد ہے۔ میں بام لگا کے دبا دوں۔ خدا کرے کہ آرام ہو جائے۔!"

شجیع نے اس کے چہرے پر نگاہیں جما دیں۔ کتنی اچھی لگ رہی ہے۔ گلابی ساڑی گلابی بلاؤز میں ملبوس۔ کافوری گردن، دلکش و دلفریب رنگت۔ کتنی سیاہ و دراز خوشنما پلکیں ہیں۔ مرطوب سرخ سرخ ہونٹ دعوت گناہ دیتے ہوئے۔ اکاہیدہ جسم۔ بھولی بھالی۔ حساس جذباتی عجیب سی ہستی ہے مرنجاں مرنج۔ جلدی سے رد دینے والی۔ اس سے کس قسم کی باتیں کی جائیں۔ وہ اس کے چہرے کی دید میں کھو گئے۔

روحی ان کی گرم نگاہی سے گلابی ہو گئی۔ !وہ اٹھنے لگی۔

"میں بام لے آؤں"۔

شجیع نے اس کی کلائی تھام لی۔ "سنو۔!

وہ کھڑی رہی۔

"درد خود بخود چلا جائے گا۔ تم بیٹھ جاؤ۔!

آپ کا ہاتھ گرم ہے۔ آپ کو بخار بھی تو ہے۔!" روحی گھبرانے لگی۔

"روحی۔ یہ درد۔ یہ بخار۔ سب کچھ۔ تمھاری وجہ سے ہے۔"

خدا نہ کرے۔ میں کیوں چاہتی کہ ـــ!"

انھوں نے اس کی بات کاٹ دی" تم چاہتی ہو۔ روحی۔ تم چاہتی ہو۔ تم سے میرا کرب۔ میرا اضطراب۔ پوشیدہ نہیں ہے۔ میں بہت بڑے عذاب میں مبتلا ہوں۔ اب ضبط مجھ سے ممکن نہیں رہا ہے۔ دن بھر نہ جانے کیا سوچتا رہتا ہوں۔ رات سے مجھے ڈر لگتا ہے رات آتی ہے میرے سر پہ بلا آتی ہے۔ وہ بھی بہرحال گزر ہی جاتی ہے۔ سوچتے ہوئے۔ جاگتے ہوئے۔ نیا کرب دے جاتی ہے۔ روحی تم عورت ہو ستانا جلانا۔ دکھ دینا۔ تمھاری فطرت ہے۔ میں مرد ہوں۔ جلنا۔ تکلیف اٹھانا اذیت سہنا میرا مقدر ہے۔ ہم میں سمجھوتا نہیں ہو سکتا۔ روحی۔ اب کوئی حل سوچو۔ تم سے دوری۔ یا پھر۔ وہ قرب۔ جو مجھے سکون عطا کر سکے۔!

روحی خاموش بیٹھی رہی۔

تم دل میں سوچتی ضرور ہوگی۔ انھوں نے پھر کہا" ایک انتہا ہر شریف

نظر آنے والا آدمی بباطن کیا سفلہ پرست جذبات پسند ثابت ہوا ہے
تم اس طرح اندازہ لگانے میں حق بجانب ہو۔ ردی۔ میری خطا صرف
اتنی ہے کہ میں آدمی بن کر پیدا ہوا ہوں۔ میری تو سمجھ ہی میں نہیں آتا۔
میں تم سے کیا کہوں۔ کیا بولوں۔ آئینے کو بھی آئینہ دکھانے کی ضرورت
ہے۔ ردی تم سے ملنے کے بعد مجھے اپنی یاسیت اور بیزاری کا احساس
ہوا ہے۔ عمر بیت گئی۔ زندگی کے پینتیس سال اندھے کنویں میں بند
ہو کر کاٹ دیئے۔ باہر کی دنیا۔ اندر کے محسوسات کا کچھ ادراک ہی
نہ کیا۔ تنہائی میری ساتھی۔ کتابیں میرا مطمحِ نظر اور تعلیم میرا مشغلہ تھا
اب تو کبھی جی ہی نہیں لگتا۔ اگر یہی لیل و نہار بدستور رہے تو اس کے
سوا کوئی چارہ نہیں کہ یہ دن زندگی کے نام پر مرتے مرتے گزارے جائیں
یا قید بامشقت کی طرح برداشت کئے جائیں۔ اور دل میں سوچ لوں
کہ یہ دن جس صبح کی امید پر کٹ رہے ہیں۔ وہ صبح کبھی نہیں آئے
گی۔ زندگی کا مقصد یہی ہے نا کہ اسے گزارنے کا احساس کیا جائے
اور جب احساس ہی مٹ جائے۔ تو زندگی کیا۔ کوئی آرزو کیسی۔ کوئی
تمنا کیا؟"

"آپ۔ آپ" وہ بری طرح گھبرائی ہوئی تھی۔ اسے احساس تھا کہ
شاید یہ ایک ہوش مند کا ہذیان ہے۔!

"ہاں میں پاگل نہیں۔ بہک بھی نہیں رہا"۔ طنزاً ہنسے "تم سے
کسی لائحۂ عمل کا پوچھنا دیوانگی تو نہیں کہلائے گا۔ بولو ردی کچھ تو بولو یا
کیا بولوں۔ وہ گلوگرفتہ لہجہ میں بولی۔ "میں۔ میں تو ان عام احساسات

سے بالاتر آپ کو ایک دیوتا سمجھتی تھی۔!"

اور تب۔ دفعتہً شجیع کو ہوش آگیا۔ انھیں ایسا لگا جیسے ان کے اندر کا آتش فشاں یکبارگی گلیشر بن گیا ہو۔

انھوں نے تکیہ پر سر رکھ کر آنکھیں بند کرلیں۔!"

باہر سے ادیس کی آواز آئی۔ روحی برآمدے میں نکل گئی۔ ادیس۔ اور پرویز اندر داخل ہوئے۔ ان کے ساتھ شجیع کے فیملی ڈاکٹر بھی تھے۔!

ہیلو مسٹر شجیع!" ڈاکٹر صاحب ان کے پاس ٹک گئے" کیوں۔ کیا بات ہے۔؟"

پرویز نے ہسٹری دی۔

اچھا۔ میں ذرا پریشر چیک کرتا ہوں۔! علوی صاحب نے کہا۔

میں ٹھیک ہوں۔ جناب۔!" شجیع نے کہا۔ معافی چاہتا ہوں کہ ان لوگوں نے خواہ مخواہ آپ کو زحمت دی۔!

علوی صاحب ہنسنے لگے" صاف علامت ہے کہ دماغ ماؤف ہو چلا ہے۔ ذرا سیدھے لیٹ جاؤ۔ مجھے جلدی ہے۔ بہت سے مریض مطب میں میرے منتظر ہیں۔"

کیا مصیبت ہے یار۔!" وہ جھنجھلا گئے۔

مجبوری ہے۔!" ڈاکٹر صاحب نے بےبسی سے کہا۔ بہر حال انھوں نے اپنے بیمار کا بغور معائنہ تو کرلیا۔ اور ادیس کو مژدہ سنایا کہ کسی بڑے ہیجان کی بنا پر وقتی طور پر مسٹر شجیع کا بلڈ پریشر ہائی ہو گیا تھا۔ انھیں آرام

اور اعصابی سکون کی بہت ضرورت ہے۔!"

موت کب تک متوقع ہے؟" شجیع نے سنجیدگی سے پوچھا۔"

فی الفور آ سکتی ہے۔ بشرطیکہ تم اپنا خون مجھے معاف کر دو۔" ڈاکٹر صاحب

نے کہا۔

ارے یہ کیا مہمل باتیں ہونے لگیں"۔ ادیس نے ڈانٹا۔" یار اپنے

علوی۔ تم یہ بتاؤ کہ اسے ہے کیوں ہوا ہے۔ دیکھنے میں تو خاصہ ہٹا کٹا ہے

یہ تو یہی بتا سکتے ہیں"۔ علوی صاحب نے کہا۔

اسے بتا دے۔ یہ دوشیزہ شرم کہیں کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔"

ادیس بولے۔

آپ بیوقوف ہیں"۔ شجیع نے کہا۔" سر کے درد کو میرے یار نے ہائی

پریشر تک پہنچا دیا ہے۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ علوی۔ تم اپنی فیس اسی

سے لینا میں تو نہیں دوں گا۔!"

ادیس میاں۔ بیٹے میری فیس"۔ علوی صاحب نے کہا۔" گاڑی

پر تم بھی لد کر آئے ہو۔ پیٹروں کا خرچہ بھی فیس میں شامل کر لینا۔ اماں تم

باہر سے اس قدر ہاتھی ہو کر آتے کہ گاڑی میں بیٹھتے وقت بے چاری

کے اسپرنگ بول اٹھے تھے۔!"

دونوں ہاتھوں سے کماتا ہوں۔ دودھ گھی کھاتا پیتا ہوں"۔ ادیس

نے سینہ اکڑا کر کہا۔ تم لوگوں کی طرح نہیں کہ جو کچھ کمایا بخیل کی قبر کی طرح

اندر ہضم۔ دنیا بھر کے چھچھوندر سماسیوں کو خریدتے!"

ان میں نوک جھونک ہوتی رہی۔! ڈاکٹر صاحب نے شجیع کو انجکشن دیا

اور کچھ دوائیں لکھ دی تھیں۔ پرویز دوائیں لے بھی آیا تھا۔ لیکن شجیع نے ان میں ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ بلکہ پرویز پر بگڑے تھے کہ وہ انھیں سچ مچ بیمار سمجھتا تھا۔

تین چار دن بعد وہ ہمیشہ کی طرح اپنے معمولات انجام دینے لگے۔! ان کی ہنگامی بیماری بھولی بسری چیز بن گئی۔ ادریس احمد چونکہ پھر جانیوالے تھے لہذا وہ خوب گھومنے پھرنے کے موڈ میں رہتے۔! شجیع بھی چھٹی پر تھے۔ پرویز بھی اکثر کالج کا ناغہ کر دیتا۔ وہ میڈیسن کر رہا تھا۔! اس کا وقت قیمتی تھا لیکن اس نے کبھی اپنی تعلیم کو اہمیت نہیں دی۔!

ان سب میں لڑکیاں بھی شریک ہوا کرتیں۔ اس عرصہ میں ادریس احمد غیر شعوری طور پر رافعہ کے پاس آ گئے۔! شاید وہ کئی روز سے اس کی سونی زندگی کا مطالعہ کر رہے تھے۔ انھوں نے ایک دن شجیع سے تذکرہ کیا۔

"کچھ تم نے رافعہ کے سلسلے میں نہیں سوچا۔ اس کی عمر بائیس تئیس سے زیادہ نہیں۔! کیا وہ ساری عمر اسی طرح رہے گی!"۔

اس سلسلے میں اس سے پوچھا تھا۔ شجیع نے جواب دیا۔ اس نے مجھے جواب دیا کہ وہ ننھے گلریز کے سہارے زندگی کاٹ دے گی۔!

اور تم مطمئن ہو گئے۔؟ ادریس نے طنزیہ لہجہ میں کہا۔

میں کیا کرتا۔؟

تم اسے سمجھاتے ؟۔

میں سمجھا چکا۔ اب تم سمجھاؤ۔!" شجیع بولے۔

دیکھو میرے دوست۔ میں بہت صاف گو ہوں۔ اسلئے میں لگی لپٹی رکھنے

کی بجائے تم سے کہنا چاہتا ہوں کہ اُس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیدو۔!"

"کیا مطلب ؟"۔

"میں کوئی دوسری زبان نہیں بول رہا ہوں جس کا مطلب تمھیں سمجھانا پڑے"۔

مم مگر۔ اس کا تو ایک بچہ بھی ہے۔!

بالکل ان پڑھ گنوار دیہاتی عورت کی سی باتیں کر رہے ہو۔" ادیس نے کہا۔ ارے بچہ ہے تو کیا ہوا۔ کیا میں اس کا اچھا باپ نہیں بن سکتا۔

واقعی۔؟ کیا ایسا ہو سکتا ہے ادلیس ؟"

میرے یار۔ انتقام !" ادیس۔ ایک آنکھ دبا کر مسکرائے۔ یعنی کہ اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔

تم سنجیدہ ہو۔؟"

فی الحال بے حد سنجیدہ ہوں۔ کم از کم ایسا رکیک۔ مذاق رافعہ کے متعلق نہیں کر سکتا۔ تم رافعہ سے بات کرو۔ تو پھر جانے سے پہلے کیا سمجھے ؟"

"میں ردحی سے کہوں گا۔ وہ اس کی مرضی معلوم کرے۔

تم تو نہیں سمجھتے کہ اس میں کوئی قباحت ہے۔

فضول بکواس مت کرو۔!

بلاؤں پھر ردحی کو !" ادیس نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔ شجیع کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔! ہنستے ہنستے انھوں نے کہا" بلاؤ۔ ادیس بھی ہنستے ہوئے چلے گئے۔ دو تین منٹ بعد ردحی آگئی۔ وہ ان دنوں بہت

محتاط خاموش اور اداس رہنے لگی تھی۔ وہ آئی اور چپ چاپ کرسی پر ٹک گئی!۔ شجیع بھی بہت سنجیدہ ہو چکے تھے۔ اپنی پچھلی گفتگو کے بعد انھیں احساس ہوا تھا کہ کسی جائز قسم کی حدود میں قدم رکھنے سے پہلے انھیں اس قسم کی جذباتی باتیں روحی سے ہرگز نہیں کرنی چاہئیں تھیں۔ وہ بہت زرگشتہ خاطر رہتی تھی اسے مزید پراگندہ کرنا اس پر ظلم کرنا تھا۔!
شجیع اپنے خیالوں میں گم سوچتے ہی رہ گئے تو روحی نے مدھم لہجے میں پوچھا۔"آپ نے مجھے بلایا تھا۔!"
سگریٹ کی راکھ خاکدان میں جھاڑتے ہوئے انھوں نے غیر اہم لہجے میں کہا۔"ہاں، تم سے ایک چھوٹی سی بات کہنی ہے۔!"
"کہیے!۔" اس کی نگاہیں اب بھی فرش پر تھیں۔
"کچھ رافعہ کے عقد ثانی کا مسئلہ درپیش ہے۔" شجیع نے کہا۔ اس سے پہلے ایک صاحب کا پیغام آیا تھا۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ اب کی ایک بہت اچھا جانا بوجھا رشتہ آیا ہے۔ !میں چاہتا ہوں کہ وہ اب کی انکار نہ کرے۔ !تم اسے یہ سمجھاؤ۔ کہ کسی سہارے کے بغیر طویل زندگی گزارنا آسان نہیں ہے۔ اس کا بچہ ابھی بہت چھوٹا ہے۔ اس کے مرحوم شوہر نے کوئی قابل لحاظ اثاثہ نہیں چھوڑا۔ اس کے سسرال میں کوئی ایسا نہیں جو ان دونوں کی پرورش کر سکے۔ لہٰذا میں یہی چاہتا ہوں کہ وہ اپنی ضد چھوڑ دے اور راضی ہو جائے۔
ان کے تند لہجے پر کچھ ششدر سی روحی ان کی شکل تکنے لگی۔!
آپ مجھے نہیں بتائیے گا۔ کس کا رشتہ آیا ہے رافعہ کے لیے۔" اس

نے کہا۔

"میں نہیں بتاؤں گا۔ کس کا رشتہ آیا ہے۔ رافعہ کے لئے۔

بھائی جان لائے ہیں۔"

"شاید!"

پھر بات ختم ہو گئی۔ شجیع اٹھ کر کھڑکی میں جا کھڑے ہوئے۔ ردحی چلی آئی۔ بہت دل برداشتہ ہو رہی تھی۔ آخر اس کا کیا قصور تھا۔ جو شجیع اس سے خفا رہتے تھے۔ ایک بار پھر اسے رونا آ رہا تھا۔ وہ ادیس کے کمرے میں گئی۔ تب سچ مچ رو رہی تھی۔!

ادیس احمد نے کہا۔ یہ کیا مصیبت ہے ردحی۔ ہر وقت آنسو۔ ہر وقت آہیں۔ کبھی تم ہنستی بھی ہو۔؟"

بھیا مجھ سے ساری دنیا ناراض ہے۔ وہ پھوٹ پڑی۔"آپ اس لہجے میں بولتے ہیں۔ اور پروفیسر صاحب بھی خفا ہیں۔ کوئی اپنا ہمدرد نہیں۔ اب میں زہر کھالوں گی۔!"

ادیس نے قہقہہ لگا کر اسے اپنی گود میں گرا لیا۔ میری بیٹی ہے۔ میری ماں ہے۔ بھلا میں اپنی ماں سے خفا ہو سکتا ہوں۔ چلو بس۔ یہ سسکیاں بند کرو۔ آدمی کو ہمت کرنا اور مردانہ وار جینا چاہیئے۔!

"آپ کو کیا معلوم ہیں کتنے طوفانوں سے گزری!" وہ نارمل ہو گئی اب ساحل مراد پر پہنچ جاؤ گی۔ پگلی تم نے اپنی بہار دل میں اپنے ہاتھ سے آگ لگائی ہے۔ کیا ضرورت تھی کہ شجیع تم سے فرضی شادی کا ڈھونگ رچاتے۔ اگر وہ تمہیں اپنی زندگی میں داخل کر لیتے تو

حاشا و کلا میں ان سے خفا نہ ہوتا بلکہ خوش ہوتا کہ انھیں تم پر اتنا حق
اور مجھ پر اتنا اعتبار ہے۔"

انھیں آپ پر اعتبار ہوگا۔ مجھ پر نہیں ہے۔" روجی نے روٹھے ہوئے
لہجے میں کہا۔ "مجھے وہ صاف صاف چور سمجھتے ہیں۔ سچ مچ۔!"
"کچھ چرایا ہے تم نے؟۔ خواہ مخواہ تمھیں چور سمجھتے ہیں۔؟"
میں ان کے کمرے میں گئی تھی۔ روجی نے منہ بنالیا۔ بس وہ اٹھے اور
جھپٹ کر اپنی الماری کی بڑی تجوری میں قفل ڈال لیا تھا۔ ارے کیا میں
ایسی ہی گری پڑی ہوں جو ان کی قیمتی چیزوں پر نیت خراب کرتی پھرتی۔
اللہ بھائی جان۔ مجھے اتنا برا لگا تھا کہ اگر میرے ساتھ اتنی مجبوریاں نہ
ہوتیں تو میں یہاں سے چلی ہی جاتی۔!"
اس کے پاس کوئی ہیرے جواہرات نہیں ہیں۔ میں جانتا ہوں۔ تم
کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے!" ادیب بولے۔
"بھائی جان۔۔ یہی تو مصیبت ہے کہ آپ ان کے مقابلہ میں مجھی کو جھوٹا
سمجھتے ہیں۔" روجی نے فریاد کی۔
جھوٹا نہیں سمجھتا۔ ادیب ہنس کر بولے۔ "بلکہ تم کچھ بیوقوف، عقل سے
کوری اور نا سمجھ ہو۔ اسی لئے کہتا ہوں کہ شاید تمھیں کو سمجھنے میں غلطی ہوئی
ہے۔ اچھا میں شمیم سے پوچھوں گا۔ کہ آخر روجی نے تمھاری کون سی چیز
چرائی تھی۔ جو تم اس بیچاری کو یہ چور ڈاکو اور کیا کہتے ہیں کہ ٹھگ سمجھتے ہو۔
"بے عزتی نہ کروائیے گا میری۔!"
"روجی سنو۔ یہ واہیات باتیں بند کرو۔ اور مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے

اپنے لئے کیا سوچا ہے۔؟ میرے خارجہ چلے جانے کے بعد بدستور اپنی اسی بیہودہ حیثیت میں شجیع کے پاس رہو گی۔؟

ردحی سہم کر انھیں دیکھنے لگی

"میرے جانے سے پہلے تمھیں ایک فیصلہ کرنا ہے"۔

میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔!

پھر وہی نادانی کی بات۔ حماقت۔ ادیس نے ڈانٹ دیا"۔ میرے ساتھ چلنا ایسا آسان ہے کہ بس اٹھے اور سواری میں جا بیٹھے۔ پاسپورٹ اور ویزا ہی کا چکر مہینوں میں ختم نہ ہو گا۔ کیا تب تک میں رکا رہوں گا۔؟

پھر بھائی جان ؟"۔

پھر یہ کہ۔ تمھیں۔ اس فرضی بندھن کو اصلیت میں بدلنا پڑے گا۔

اور اگر کہیں سے اقبال ــــ!"

ادیس نے درشتی سے اس کی بات کاٹ دی۔ خبردار خبردار آئندہ میں تمھارے منھ سے اقبال کا نام ان کا تذکرہ نہ سنوں۔ اس خبط کو دل سے نکال دو۔ اقبال مر چکے ہیں اور کوئی دوسری دنیا سے واپس نہیں آیا۔ ایک جنون کے پیچھے زندگی تباہ کرنا نرا پاگل پن اور کوری حماقت ہے"۔

"وہ کہیں نہیں ملے نا بھائی جان۔ ردحی چپکے سے سسکی۔

"وہ اگر کہیں مل بھی جائیں۔ اور آبھی جائیں۔ تو میں ان کو جواب دے لوں گا کہ ان کے انتظار میں تمھاری زندگی اور تمھارا مستقبل غیر یقینی حالت میں چھوڑا نہیں جا سکتا۔ لہذا تمھارا بندوبست کر دیا لیا تمھیں تم اقبال سے جواب دہی کا خیال مت کرو۔! ردحی۔ تمھارا کوئی بزرگ

اب اس دنیا میں نہیں رہا ہے۔ تمھاری ماں ہوں تو میں ہوں۔ تمھارا باپ ہوں تو میں ہوں۔ اور میرے فیصلے پر تمھیں سر جھکانا ہے۔!"

ادریس نے بڑی ناگوار سختی سے کہا۔ چند لمحے خاموش رہے پھر بولے میں نے شجیع سے کہہ بھی دیا تھا۔ اور اب زبان دے کر میں اپنا فیصلہ بدل نہیں سکتا۔ اکیو تکہ ۔۔۔!"

وہ مستفسرانہ انداز میں انھیں دیکھنے لگی۔

شاید تمھیں شجیع نے میرے پاس بھیجا تھا۔؟

جی۔؟" وہ چونکی۔" جی ہاں۔ بھیجا تو انھوں نے ہی تھا۔"

"کیا کہا تھا۔؟

رافعہ کے سلسلے میں آپ کوئی پیغام لائے تھے۔

"واقعی نہایت معصوم ہو۔ تمھارا ذہن دور تک نہیں پہونچتا۔"

"بتائیے نا۔ آپ ہی نے ادھر ادھر کی باتوں میں الجھا لیا۔"

میں رافعہ کے لئے۔ کوئی پیغام نہیں لایا۔ میں نے اپنا پیغام دیا ہے نہیں۔" وہ تو اچھل ہی پڑی۔

اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔؟"

سچ مچ وہ بہت اچھی ہے۔ مگر کیا وہ راضی ہو جائے گی۔

اتنی دیر میں ایک اتنی سی کام کی بات نہ ہو سکی۔! اسے تم کو پوچھنا ہے

"میں ضرور پوچھوں گی۔ مگر وہ راضی ہو گئی تو پھر۔ آپ کے ساتھ کیسے جائے گی۔ اس کے پاسپورٹ اور ویزے کا جھگڑا نہ ہو گا کیا۔"

"میرے پاسپورٹ میں بیوی کی گنجائش کئی مہینوں سے محفوظ ہے۔

ویزا ۔ بنوالوں گا ۔!" وہ مسکرائے ۔

"اچھا میں ابھی بوجھتی ہوں۔" وہ تقریباً ناچتی ہوئی کمرے سے نکلی اور
رافعہ کے پاس جاکر اس کے گلے میں جھول گئی ۔ وہ ہنسنے لگی ۔!

"کوئی خزانہ مل گیا ہے کیا؟"

"چھن رہا ہے ۔!" روحی بولی ۔

"اس میں خوشی کی کیا بات ہے؟" رافعہ نے اسے تھام کر سامنے
بٹھالیا۔ اور کچھ شبہ میں پڑ کر اسے غور سے دیکھنے لگی ۔!

"بعض دفعہ خزانے کے چھن جانے سے بے حد خوشی ہوتی ہے کہ وہ
یونہی ادھر ادھر پڑا نہیں رہتا ۔ بلکہ قدر داں ہاتھوں میں پہنچ گیا ۔ سمجھیں ۔"

وہ ہونٹ چبانے لگی ۔ "پہیلیاں نہ بجھواؤ ۔ صاف صاف بتاؤ۔"

"بتاؤں ۔؟" روحی نے دھمکایا ۔

"ہاں ۔!" رافعہ ہولے سے بولی ۔

"بیگم ادریس ۔! آپ نے اندر اندر جو کلھیا میں گڑ پھوڑا ہے ۔ اس کی
مٹھاس اب ہم سب کے منہ میں گھل چکی ہے ۔ اب سمجھیں ۔!"

"ہائے اللہ! رافعہ اسے دو لمحوں تک پھٹی پھٹی آنکھوں سے تکتی رہی
پھر دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپالیا ۔! روحی اسے گدگدا کر ہنسنے لگی ۔!

"میں بھائی جان کو اور ۔ نت تمھارے بھائی جان کو کیا جواب دوں
گی؟ ۔ انھوں نے مجھے تمھارا فیصلہ سننے کو بھیجا ہے ۔!

رافعہ سنجیدہ ہوگئی ۔" اس سے پہلے بھی بھائی جان نے کسی سلسلے میں
پوچھا تھا ۔ بھابی ۔ مگر تمھیں سوچو کتنی بڑی بے حیائی ہے ۔ ایک بچہ رکھ کر

ہیں۔ میں ایک بار پھر کسی اور کے لیے حامی بھر دوں۔"
"مذہبی نقطہ نظر سے تو سوچو۔ اگر یہ کوئی بے حیائی کی بات ہوتی معیوب فعل ہوتا تو مذہب بیواؤں کو جلد تر دوسری شادی پر زور نہ دیتا ـــــ تم مذہب سے اتنی بیگانہ اس کی تعلیم سے نابلد تو نہ ہوگی۔"
"وہ تو ہے مگر ـــــ!"
"اگر مگر کیا۔ یہ کہو کہ تمھیں بھائی جان پسند نہیں ہیں۔ بس۔" ردحی خفا ہونے لگی۔
"پسند ہیں۔ بہت اچھے آدمی ہیں۔ لیکن۔"
"ارے۔؟" ردحی نے آنکھیں نکالیں۔ "پھر وہی لیکن۔ لیکن۔!"
"میں یہ کہہ رہی تھی کہ ہماری ساس کیا سوچیں گی۔ بھائی جان دل میں کیا کہیں گے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ ـــــ وہ۔ یعنی کہ تمھارے بھائی جان۔ میرے گلریز کو قبول بھی کر سکیں گے کہ نہیں۔؟"
"ان تمام تخریبی باتوں کو رہنے دو۔ تمھیں ان سے کیا مطلب۔ تم بس یہ کہہ دو کہ تم راضی ہو۔!" ردحی بولی۔
"ہم۔ میری۔ مرضی۔ اللہ۔ ردحی بھابی۔ جو مرضی بھائی جان کی۔" رافعہ نے کہا۔!
ردحی نے شجیع تک رافعہ کا جواب پہونچا دیا۔
"تم نے اسے مجبور تو نہیں کیا۔؟" شجیع نے پوچھا۔
"تو کیا۔" ردحی بڑے کھلے دل سے ہنس دی "وہ میری ہی بھابی بن رہی ہے نا۔"

یہ بہت اچھا ہوا۔" شجیع نے کہا۔ اور گویا بات ختم کر دی رُدحی کھڑی ہی تھی، مگر وہ اس کی موجودگی سے بے نیاز ایک کتاب اٹھا کر دیکھنے لگے رُدحی نے بڑے غصے سے سوچا کہ ان سے ان کی بے جا ناراضی کی وجہ پوچھے گی۔ لیکن اسے اس میں اپنی سبکی محسوس ہوئی۔! اور وہ بڑے طنطنے سے ان کے کمرے سے چلی آئی۔ اس کے جانے کے بعد شجیع نے کتاب واپس میز پر رکھ دی اور بستر پر لیٹ گئے۔!

اسی ہفتے کے اختتام پر رافعہ بالکل غیر متوقع طور پر ادیس احمد کی زندگی میں آ گئی۔! ان کی خوشنودی کو سمجھنا ذرا دقت طلب امر تھا۔ لیکن بہرحال اونچ نیچ انھیں بتائی گئی۔ بڑی بی خود جانتی تھیں کہ ان کی زندگی کب تک۔ ان کا سہارا کتنا۔ بالآخر راضی ہو گئیں۔!

پروفیسر شجیع کی لاپرواہی رنگ لائی۔ گوناگوں خیالوں اور پریشانیوں نے بالآخر ان پر یلغار کر دی۔ ابھی ان کی چھٹیاں چل رہی تھیں۔ لیکن چھٹیوں سے انجوائے کرنے کا موڈ ان کا نہیں تھا۔ ادیس احمد کی خاطر لی تھیں۔ لیکن وہ شادی کر کے ان سے بے تعلق ہو گئے۔ مزے میں گھومتے پھرتے۔! رافعہ کو بڑے عرصے بعد سکون ملا تھا۔ وہ ادیس کا پورا پورا ساتھ دیتی تھیں۔ اس کے لئے بڑے عمدہ ساتھی اور اس کے بچے گلریز کے بے حد شفیق باپ ثابت ہوئے تھے۔ اسے سکھایا تھا کہ انھیں

ڈیڈی کہہ کے مخاطب کیا کرے ا۔ وہ اس کے ساتھ ز منگ میں حصہ لیتے اپنے بھاری بھرکم جثہ پر دوڑتے ۔ وہ ان کے پیچھے دوڑتا ۔ اسے جوڈو کراٹے سکھاتے اور اس کے ہاتھ کھاتے تھے ۔ بہر حال ادیس احمد اپنی مختصر سی شاندار فیملی" میں پوری طرح گم تھے ۔!

پرویز سرمائی چھٹیوں میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ تفریحی ٹور پر چلا گیا تھا ۔ اس کا قریب قریب تین ہفتوں کا پروگرام تھا ۔

اور ہمیشہ کی طرح روحی گھر پر اپنی الجھنوں سمیت پھر اکیلی رہ گئی ! رافعہ اور پرویز کی عدم موجودگی میں ایک شدید کرب سے اسے نجات ملی تھی ۔ وہ مجبور نہیں تھی ۔ کہ وہ شجیع کی خوابگاہ میں سوتی ۔ کسی کو ادیس کی شادی کی افراتفری میں اس بات کا دھیان ہی نہ رہا تھا ۔ اور ایک غیر معمولی بات پر غور بھی کون کرتا ۔؟

ویسے روحی اب ہمیشہ یہ سوچتی تھی کہ اس نے سچ مچ حماقت کی انتہا کی تھی ۔ اول تو اپنے گھر سے اس کا فرار ہی نہایت پر اخل تھا ۔ شجیع نے اس پر اگر توجہ نہ دی تھی اور اپنی حفاظت میں لے لیا تھا ۔ تو یہ ان کی نیکدلی اور بلند خیالی تھی ۔ دوسرا کوئی ہوتا تو اس کی بے بسی اور پوزیشن سے ضرور فائدہ اٹھاتا ۔ لیکن شجیع نے نہ صرف اس کی لاج رکھی تھی بلکہ اس کے بھائی سے اپنی دوستی کا حق بھی نبا ہا تھا ۔! اور دوم یہ کہ اس نے شجیع کو ایک ہیجان میں مبتلا کر رکھا تھا ۔ اسے یہ ہرگز سزاوار نہ تھا ۔ اس نے ان کی بے پار محبت اور مخلص جذبوں کی پذیرائی نہیں کی ۔ نہ جانے اس کی بے رخی سرد مہری اور خود سری کا ان پر کیا ناگوار اور ناقابل برداشت دعمل

ہوا تھا!۔ آدمی کے بعض جذبے اُنہیں منھ سے اپنی تکلیف و کرب کا اظہار
کرتے ہیں۔ ان کی یہ چھوٹی موٹی بیماری۔ یہ پرہیز۔ اور پھر۔ رو جی کو ان کا
سلوک یاد آنے لگا!۔ ان کی نیاز مندانہ گفتگو ان کی سادگی سے معمور مسکراہٹ
وہ ہر وقت اس کی مرضی کا خیال رکھتے تھے۔ جو کچھ وہ کہتی۔ وہ اسی کو مان
لیتے۔ حالانکہ وہ عمر و مرتبہ میں اس سے کہیں بڑے تھے۔ ان کی پوزیشن
بہت اعلیٰ تھی وہ بہت زیادہ تعلیم یافتہ تھے۔ ان کے معاملہ میں وہ خود
صفر تھی۔!! اور ان پر حاوی ہونے کی کوشش کرتی تھی۔!

جوں جوں وہ اپنے خیالوں کی رہ گزر پر آگے بڑھتی گئی۔ اسے اپنی منزل
اس شخص کی ذات میں دکھائی دینے لگی۔!

پناہ گاہ۔ منزل۔ نشیمن۔ اور اس ایک جگہ کے سوا کوئی جگہ نہیں جہاں
وہ سر چھپا سکے۔!

بھیا کے جانے کے بعد کیا ہوگا۔ اے خدا۔

اس کے جسم میں سردی سی پھیلنے لگی۔! بھیا تو بالکل بدل گئے ہیں۔
اسے بالکل غیر اہم ہستی سمجھتے ہیں۔ اس کے متعلق سوچتے تک نہیں۔!
اسے اپنے بارے میں خود سوچنا ہے۔ مگر وہ کیا سوچے!۔ کیا کرے۔!
کہاں جائے۔!

گھبراہٹ کا ایک دورہ سا اس پر پڑا۔ اور وہ باہر نکل آئی۔ دالان
سونے پڑے تھے۔ کہیں کوئی آواز نہ تھی۔ وہ ریڈیو کی میز کا سہارا لے
کر کھڑی ہو گئی۔ جانے راتوں کب آئے۔ اسے بھی سیر سپاٹے سوجھے ہیں
ہر ایک اپنی ذات میں مگن ہے۔ بجز اس کے۔ وہ تنہا ہے۔ اپنی ذات

میں اکیلی۔!

ملازم لڑکا اسے تیز تیز قدموں سے باہر جاتا نظر آیا۔ یکبارگی اس کا دل بڑی زور سے دھڑک اٹھا۔ کیا بات ہے۔ اس نے اشارے سے لڑکے کو اپنے پاس بلایا۔! اور اس سے سراسیمگی کی وجہ پوچھی۔!

"وہ سرکار کی طبیعت خراب ہوگئی ہے نا۔ میں ٹیبلٹ لانے جا رہا ہوں" "کیا کر رہے ہیں!" اس کے ہونٹ سوکھنے لگے۔!

"سر پر رومال کس لیا ہے۔ بستر پر پڑے کراہ رہے ہیں۔ اچھا میں جاؤں جاؤں۔!"

دو لمحوں تک وہ شدید ترین کشمکش میں الجھی وہیں کھڑی رہی۔ پھر کسی اندھا دھند بے اختیار جذبے نے اس کا رخ باہر کی طرف موڑ دیا وہ بھاری کراہیں۔ اس نے دور ہی سے سن لیں۔ جنھوں نے کئی ایک نشتر اس کے دل میں اتار دیے۔! انھوں نے آج پہلی دفعہ اتنی جرأت برتی کہ اسے بلوا نہیں لیا۔!

اس نے چپکے سے پردہ سرکایا۔!

شجیع اپنے بستر پر پڑے تھے۔ سر پر رومال بندھا تھا تکلیف کی شدت سے ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ انھوں نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔

وہ آگے بڑھی اور بے اختیار ان پر جھک گئی۔! لباس کی سرسراہٹ نے انھیں چونکا دیا۔ انھوں نے آنکھیں کھولیں "آپ کو کیا تکلیف ہے؟ وہ بے چین تھی۔ مجھے بتایئے۔ میں ڈاکٹر

کو فون کرتی ہوں۔! آپ نے مجھ کو بلا نہ لیا؟"

وہ مسکرائے! ایسی طنزیہ مسکراہٹ تھی کہ اپنی پرسش پر روحی کٹ کر رہ گئی۔

"کیا کرتا تمھیں بلا کے"۔

"میں جانتی ہوں۔ آپ مجھ سے خفا ہیں۔ مجھ سے کوئی بات کرنا نہیں چاہتے۔ مجھے سزا دے رہے ہیں آپ؟"۔

"مجھے افسوس ہے روحی۔ تم جب بھی کوئی بات سوچتی ہو۔ بالکل غلط اور بعید از قیاس سوچتی ہو۔!"

"میں آپ کی تکلیف بڑھانا نہیں چاہتی"! اس نے انھیں روک دیا۔ "آپ مجھے ڈاکٹر صاحب کا فون نمبر بتائیے۔ وہ آ کے آپ کو دیکھ لیں۔

"بیکار ہے۔ خواہ مخواہ سوئی بھونک کے چلا جائے گا"۔

"آپ نے وہ پچھلی والی دوائیں بھی استعمال نہیں کیں!۔

"مجھے معلوم ہے کہ جو بھی بیماری مجھے ہے وہ ان فضول دواؤں سے جانے والی نہیں ہے۔

"تو پھر آپ کا کیا علاج ہے۔؟"

"موت۔!

"ہائے اللہ۔!

ڈر گئیں!" شجیع ہنسنے لگے۔

"اور پھر آپ کہتے ہیں کہ آپ مجھے سزا نہیں دے رہے ہیں!"۔

اچھی بات ہے۔ اب کچھ نہیں کہوں گا۔" انھوں نے سنجیدگی سے کہا
فون کر دو ڈاکٹر علوی کا ٹیلی فون نمبر فون کے پاس ہی دیوار پر نوٹ
ہے۔!"

وہ ڈاکٹر صاحب کو جلد تر آنے کی تاکید کر کے پھر شجیع کے
پاس آ بیٹھی۔ اور بڑے نادم انداز میں بولی۔
"میں۔ میں تب تک آپ کا سر دبا دوں۔!"
رہنے دو۔ روحی۔ خواہ مخواہ کیوں اپنے ہاتھ دکھاؤ گی
نہیں نہیں۔" اس کے لب کپکپانے لگے تھے۔ شجیع نے بغور اس کا
چہرہ دیکھا۔ پھر سر سے رومال کھول کر الگ رکھ دیا اور سیدھے لیٹ کر
آنکھیں بند کر لیں۔
"دبا دو۔!"
روحی کے کانپتے ہوئے سرد ہاتھ۔ ان کی پیشانی پر رکے اور دفعتہً
سے ایک شاک سا لگا۔ ان کی پیشانی آگ کی طرح دہک رہی تھی
وہ بری طرح ڈر گئی۔
"آپ کو تو اچھا خاصا بخار ہے۔"
فکر مت کرو۔ اتنے سے بخار میں کوئی نہیں مرتا۔!"
دفعتہً ان کی پیشانی پر گرم گرم آنسو ٹپک پڑے۔
انھوں نے آنکھیں کھول دیں۔ کیا ہوا۔؟"
میں نے کیا کیا ہے۔ آپ ایسی باتیں کر رہے ہیں۔ وہ بے تحاشہ
رو پڑی۔

انھوں نے اس کا ہاتھ ہٹا دیا اور اٹھ کر بیٹھ گئے۔" تو ردی میں بالکل اچھا ہو گیا۔ اب تم باتیں کرو۔ میں سنتا ہوں۔ اردتی کیوں ہو؟"

میں آپ سے معافی چاہتی ہوں" وہ اور احمق ہو گئی۔ سر جھکا لیا اور تیزی سے اپنا آنچل مروڑنے لگی۔

کس بات کی معافی۔؟"

یہ میں کیا جانوں؟

بہت دلچسپ۔ بہت دلچسپ۔ جانتی بھی نہیں اور معافی بھی مانگ رہی ہو" وہ پھر ہنس دیے۔ ردی مکمل طور پر نروس ہو کر بولی۔ کچھ تو میں نے کیا ہی ہوگا۔ جو آپ کو برا لگا۔ اور آپ نے ناراض ہو کر بات چیت بند کر دی۔ اتنی بھی بیوقوف نہیں ہوں۔ جو میں آپ کا سلوک نہ پہچانوں۔!

ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ انھوں نے بڑی خوش دلی سے کہا" تم بڑی عقلمند بے حد سمجھدار ہو۔ سلوک پہچانتی ہو۔ نگاہوں کا مفہوم جانتی ہو۔ دل کی بات تم پر عیاں ہے۔! بس ردی۔ اسی طرح تو میں بھی پہچانتا ہوں۔ دل کی بات۔ آنکھوں کا مفہوم۔ سلوک کی بولی۔ اور مجھے ردی کے بجائے بخار آتا ہے تو تمھیں برا کیوں لگتا ہے۔؟"

آپ نے اسی بات کی تو سزا دی ہے۔" اسے بڑا معقول جواب سوجھا

نہیں نہیں۔ مجبوری۔؟ خرم کو سزا دی ہے۔
اس نے بچوں کی سی ضدی۔ اور گھیل سر آنکھیں دیکھے

گی۔ ان کے لبوں پر ہمیشہ کی طرح بے حد محبت پاش مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔ روحی اپنی ضد اور بچپن پر شرمانے لگی۔!

بچوں کو اس لئے سزا دی جاتی ہے کہ وہ کہا نہیں مانتے۔ میں نے اپنے آپ کو اس لئے دی ہے کہ میں بھی اپنے دل کی بات نہیں مانتا۔"

میں نہیں سمجھی۔!" وہ ہکلائی۔ سب کچھ سمجھ گئی تھی۔

اب کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔

دفعتہً کسی نے دروازے پر دستک دی۔!

اوہ۔ شاید آگئے ڈاکٹر صاحب۔! روحی اٹھی اور دروازہ کھولا۔

تسلیم بیگم، شجیع!۔" ڈاکٹر نے مسکرا کر سر خم کیا۔

آداب!" اس نے گھبرا کر پیشانی پر ہاتھ رکھ لیا۔!

ڈاکٹر صاحب اندر آئے اور صحیح معنوں میں شجیع پر برس پڑے "

اول درجے کے بے درد ہو تم۔ ظالم نا شکرے۔ جان بوجھ کر بیمار پڑتے ہو اور دوسروں کو پریشان کرتے ہو۔ میں مسز شجیع کا چہرہ دیکھ کر پہلے ہی پہچان گیا تھا کہ وہ بیچاری تمھاری بیماری سے گھبرا کر روئی ہیں۔ ان کی آنکھیں سرخ پلکیں متورم ہیں۔ تمھیں کیا ہوا ہے۔؟

خود دیکھ لو۔!" شجیع پھر لیٹ گئے۔ ڈاکٹر علوی نے اسٹتھسکوپ ان کے سینے پر رکھ دیا۔! روحی ینہ مرمر کی مورتی کی طرح چپ چاپ شجیع کے سرہانے کھڑی رہی۔! ڈاکٹر علوی نے آلہ موڑ کر بیگ میں رکھا پھر پریشر دیکھا اور چند منٹ بعد بولے۔

" دیکھو پروفیسر کے بچے۔ میں تم سے اب صاف صاف کہے دیتا ہوں

کہ یہ تمھارا بخار اور بلڈ پریشر اچھی علامت نہیں ہے۔ اگر تم باقاعدہ علاج نہیں کرواؤ گے تو میں تمھیں زبردستی اپنے نرسنگ ہوم میں داخل کر لوں گا۔"

کیا ہوا ہے انھیں۔ ڈاکٹر صاحب!" روحی بولی۔

تعجب ہے بیگم شجیع آپ ایسی وفا شعار، خدمت گزار اور خوبصورت بیوی کی موجودگی میں بھی یہ حضرت بخار کی علت پالتے اور اپنا پریشر بڑھا لیتے ہیں۔ آپ تو جانتی ہی ہوں گی انھیں کس قسم کی فکریں گھیرے رہتی ہیں۔ مجھے بتایئے۔ تاکہ میں انھیں بھی دور کرنے یا کم از کم ان کا مداوا ہی کرنے کی کوشش کروں۔" علوی نے کہا۔

"تم روحی کو ڈرا رہے ہو۔ ڈاکٹر صاحب۔ شجیع نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

واہ واہ۔ کیا خوب۔ میں ڈرا رہا ہوں"۔ ڈاکٹر صاحب بھی بگڑ گئے یہ ظلم تم کر رہے ہو۔ شجیع۔ تمھیں اپنے پر رحم نہ آئے نہ سہی۔ مگر تمھیں بیگم شجیع کا خیال رکھنا چاہیئے۔!"

بخار اترنے کا انجکشن دے دو۔ اور چلے جاؤ۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ خبردار۔ آئندہ مت آنا۔ شجیع نے کہا۔

بہت اچھا" وہ بھی بگڑ گئے۔ تھوڑی دیر بعد انجکشن دے کر اور ایک ڈوز بلا کر جب ڈاکٹر صاحب باہر نکلے تو اشارے سے روحی کو بلاتے گئے۔ وہ انھیں رخصت کرنے کے بہانے ان کے پیچھے پیچھے نکلی۔ برآمدے کے پاس وہ رک گئے۔!

"بیگم شجیع! میں حیران ہوں" انھوں نے کہا۔ اسے کیا ہوا ہے۔ اس

کے جسم میں بخار ٹھہر گیا ہے۔ اور پریشر بہت بڑھا ہوا ہے۔ اگر اسے مکمل آرام، مکمل سکون اور باقاعدہ دوا نہ ملی تو۔ اب آپ کو میں کیا بتاؤں۔ پریشر کا اتنا ہائی ہونا اچھی علامت نہیں۔"

وہ سہمی سہمی سے ڈاکٹر صاحب کو دیکھا کی۔

اس کی فکریں دور کرنا، اسے خوش رکھنا۔ اسے آرام پہنچانا آپ ہی کا کام ہے نا؟" ڈاکٹر صاحب نے اسے سمجھایا۔ "پلیز۔ مسز شفیع۔ اس کی مکمل دیکھ بھال کیجئے۔ اس کی فکروں کی جڑیں کہاں ہیں آپ معلوم کیجئے اور مجھ سے کہیئے۔ میں اب باقاعدہ اس کا علاج کر دوں گا۔ ورنہ"

ورنہ۔!" اس نے سانس روک لی۔

"ورنہ ان حالات میں۔ یا تو فالج کا حملہ ہوتا ہے یا پھر اچانک دماغ کی شریانیں پھٹ جاتی ہیں۔!"

نہیں نہیں۔!" اس کے لبوں سے ہلکی سی چیخ نکلی۔! اور اس نے اپنا آنچل دانتوں میں دبا لیا۔

میں آپ کو پریشان کرنا نہیں چاہتا۔ انھوں نے بڑی ہمدردی سے کہا خدا نہ کرے کہ انھیں ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑے۔ میرے کہنے کا مقصد یہ تھا۔ کہ آپ اور میں دونوں باہمی تعاون سے اسے صحت و زندگی کی طرف پھیر لیں۔۔۔۔ کیوں۔؟" وہ مسکرائے۔ "آپ تو انھیں بہت چاہتی ہیں نا۔! بس تو میری مدد کیجئے۔ پلیز۔!"

میری زندگی بھی اگر ان کے کام آجائے تو۔!

نہیں ہنہیں نہیں۔ وہ ہنس کر جلدی سے بولے"۔ ابھی ایسا خطرناک

اسٹیج نہیں آیا۔ آپ دونوں ایک دوسرے کے لیئے بہت ضروری ہیں۔
بس اتنا یاد رکھنا۔ اچھا میں چلتا ہوں۔ آپ۔ فون پر۔ اس کی کیفیت
سے آگاہ کر دیجئے گا۔ میں اپنے ملازم کے ہاتھ سے دوائیں ابھی بھجواتا ہوں
خدا حافظ۔!"

روحی جب کمرے میں واپس آئی تو اس کے قدم من من بھر کے ہو رہے
تھے۔

"تمھیں کیا دھمکا رہا تھا۔ وہ بدمعاش۔" شجیع نے پوچھا۔
آپ جلدی سے اچھے ہو جائیے۔ خدا کے لیئے۔" وہ بے ضبط ہو کر ان
کے پہلو میں گری اور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔!

اویس احمد کی روانگی کے دن جوں جوں قریب آ رہے تھے۔ ویسے ویسے
ان کی تشویش بڑھ رہی تھی۔ بظاہر وہ لاپرواہ اور لاابالی دکھائی دیتے لیکن
بباطن انھیں اپنی پاگل بہن کی بڑی فکر تھی۔ کیا ہو گا اگر وہ اصلی نکاح پر
آمادہ نہ ہو سکی۔ شجیع کے ساتھ روز و شب اس کا قیام ناممکن تھا۔ لاکھ
وہ شریف النفس اور نیک طینت ہوتے۔ لیکن اویس احمد کا دل نہیں
مانتا تھا۔ وہ روحی کو اس نازک پوزیشن میں محض شجیع کے رحم و کرم پر چھوڑ
کے خود ایک غیر معینہ مدت تک کے لیئے چلے جاتے۔!
رافعہ ان کی بڑی اچھی شریک حیات ثابت ہوئی تھی۔ لیکن اپنی پریشانی

وہ اس کے سامنے بھی نہ رکھ سکے۔ کیا سوچتی وہ۔! روحی اس کی نظروں سے ضرور گر جاتی۔ اور شاید وہ اپنے بھائی کے متعلق بھی بری رائے قائم کر لیتی۔! پھر انھوں نے سوچا کہ اس مسئلہ کا حل صرف اور صرف روحی کی مرضی پر ہے۔! انھوں نے اس سے دو ٹوک بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔!

ان دنوں شجیع کی سنجیدہ بیماری نے بھی گھر بھر میں اضطراب اور بے چینی کی لہر دوڑا دی تھی۔! ڈاکٹر علوی نے ایک دفعہ ان کے سامنے روحی کو شجیع کی مکمل تیمارداری کی تاکید کی تھی!۔ اویس کو حیرت تھی۔ آخر وہ کس طرح دن کو اور رات کو شجیع کے پاس رہ سکتی ہے۔ اور اگر نہیں رہتی۔ تو پھر ڈاکٹر کو کیا جواب دے گی۔؟ رافعہ کیا سوچے گی۔ پرویز کیا کہے گا۔ اب تک ان کے قابلِ تعظیم بڑے بھائی اور ایک شریف گھرانے کی لڑکی نے شادی کا محض بناوٹی کھیل ہی کھیلا تھا۔ یہ کتنی غلط بات تھی۔! انھیں صحیح معنوں میں اور روحی پہ غصہ آنے لگا تھا۔ کتنی ضدی، خود سر اور ہٹ دھرم تھی۔!

ان دنوں اچانک حیدرآباد سے اویس احمد کو اپنے ماموں ابا کا خط ملا۔ وہ اویس احمد کے بلائے ہوئے آرہے تھے۔!

یک نہ شد دو شد! اویس اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔!

خط پڑھ کر شجیع نے کہا۔ اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ عجیب آدمی ہو۔ ارے تم ہی نے تو بلایا تھا۔ اب وہ بیچارے آرہے ہیں تو سر پکڑ کے رہ گئے ہو۔!"

"وہ تو ابھی آہی رہے ہیں" اویس نے کہا۔

تو پھر۔ کیا تمھارے جانے کے بعد آتے۔؟ شجیع نے بگڑ کر کہا۔

"یار۔ تم سمجھے نہیں۔ اچھا۔ ادھر آؤ۔ الگ! میری ایک بات سن لو!"
وہ شجیع کو اپنے کمرے میں لائے۔ اور دروازہ بند کر دیا۔
"تم احمقوں نے میرا سکون غارت کر کے رکھ دیا ہے" انھوں نے دانت پیس کر کہا۔ "اس پاگل چھوکری کی تو میں اچھی طرح خبر لوں گا مگر تم۔ ارے تم تو ناقص العقل نہیں تھے نا۔ یہ کس عذاب میں مجھے مبتلا کر دیا ہے تم نے نابکار۔"
"کیا کیا ہے میں نے۔؟"
"تم نے ڈھونگ رچایا ہے۔ اپنی نام نہاد شادی کا۔ ادیس نے ان پر گھونسہ تان لیا۔ یہاں سب پاگل بستے ہیں۔ کوئی تم دونوں کا نقل و حرکت مارک نہیں کرتا۔ مگر۔ وہ بڑے میاں اور بڑی بی۔ جو اڑتی چڑیا کے پر گنتی ہیں۔ بیوقوف۔ تم ان کی نگاہوں سے کیسے بچ گئے؟۔ ابے تم۔ اس ناٹک کو اصلیت کا رنگ دے دیتے۔ تو میں کون سا تمھیں پھانسی پر لٹکا دیتا۔ !
اس وقت یہ بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ شجیع نے ایک اداس مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ اور تب۔ روحی۔ میرے لئے اجنبی بھی تو تھی۔!"
"اور تم نے ہاتھوں میں چوڑیاں پہن رکھی تھیں کہ انفصال احمد سے ڈر گئے!" ادیس احمد نے کہا۔
"ادیس۔ کیا تم ٹھنڈے دل سے نہیں سوچ سکتے کہ۔ جب روحی نے میرے پاس پناہ لی تھی۔ تو پھر میرا کیا فرض ہو جاتا تھا۔ جبکہ وہ انفصال کے تصور سے بھی خوف زدہ تھی۔! اسے اقبال احمد کی آمد کی توقع تھی۔ وہ

افضال سے نہ تو نکاح پر راضی تھی نہ ان کے ساتھ جانے پر۔! افضال نے اسے دھمکی دی تھی کہ وہ اسے میرے پاس سے کھینچ لے جائیں گے۔ اپنے خط میں انھوں نے اتنی ناگفتہ بہ باتیں لکھی تھیں کہ میں تو ان پر ہتک عزت کا دعویٰ کر دیتا۔ مگر سوچو میرے بھائی کہ خود میری کیا پوزیشن تھی۔ میں نے ایک لڑکی کو پناہ دی تھی۔ وہ میرے گھر میں کس حق سے رہ رہی تھی میں اسے رد کرنے یا بچانے کا کون سا جواز رکھتا تھا۔؟! بھائی صرف زوجی کو بچانے کی خاطر صرف اسی کی خواہش پر میں نے ایک تجویز اس کے سامنے رکھی تھی۔! ادریس۔ تب تو کسی قسم کا کوئی خیال بھی میرے دل میں نہ تھا اب سمجھے تم۔!

سمجھ گیا۔ تم نے خواہ مخواہ اتنے الفاظ ضائع کیے۔ ادریس احمد نے خشک لہجہ میں کہا۔ اور اب مجھے براہ کرم یہ بھی سمجھاؤ کہ۔ میرے دفع ہونے کے بعد۔ تمھارے گھر میں اس کی پوزیشن کیا ہوگی ہمیشہ اس حیثیت سے رہے گی وہ تمھارے پاس ؟؟"

لاحول ولا قوۃ!" شجیع نے برا سا منھ بنا کر کہا۔

"تمھارے اس طرح قرأت سے لاحول پڑھ دینے سے بات ختم تو نہیں ہو جاتی۔! ادریس بولے۔

اچھا تو اس کا حل تم بتاؤ۔!" شجیع نے بھی بڑے غصے سے کہا۔

دفعتہً ادریس کو ہنسی آگئی۔!

"سالے! تمھیں غصہ کرنا بھی نہیں آتا۔!"

تمھارے بھی گالی دے دینے سے بات ختم نہیں ہو جاتی۔" شجیع نے

کہا۔

"گالی۔؟۔ اماں گالی کیسی۔ یہ تو ہمارا تمھارا رشتہ ہے۔!"

بکو مت" شجیع نے کہا۔ داقعی یہ تم سے بڑی سنجیدگی سے اپنے سوال کا جواب چاہتا ہوں۔!

شجیع۔ ! تم نے۔ آج تک۔ اس سے۔ مطلب یہ کہ کبھی اس سلسلہ میں کوئی بات نہیں کی۔؟" ادیس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

صاف صاف کبھی نہیں کی" شجیع نے اعتراف کیا۔

اور ڈھکے چھپے؟" ادیس نے پوچھا۔

وہ بھی نہیں۔! شجیع کی زبان سے نکل گیا۔

یہ بس۔ ! ادیس نے اپنی ہتھیلی پر گھونسہ مارا" یہی ہے اصلی پریشانی نہ جانے دماغ میں کون سا بھس بھرا ہے کہ معقول بات کبھی اس کی کھوپڑی میں نہیں آتی۔ بی۔ اے میں بھی اسی لئے فیل ہو گئی۔ میں نے رٹائے تھے ورڈز ورتھ کے حالات وہ پرچے میں لکھ آئی تھی۔ گولڈ سمتھ کے کارنامے۔ سو میں سے دس نمبر ملے تھے شاید۔!

شجیع ہنسنے لگے۔!

تم سمجھاؤ۔ شجیع!۔ آخر پروفیسر ہو۔ تمھارے پاس معقول انداز بیان، لفاظی اور اظہار احساس کی کیا کمی۔ اس کے سامنے میری زبان شاید نہ اٹھے گی۔"

، نہیں مانے گی ادیس نہیں مانے گی۔ اس کی حقیقت کیا ہے۔ میرا دماغ پھر جائے گا۔ تو مارے تھپیوں کے حواس درست کر دوں گا۔

کیا بکتے ہو!۔

"اور پھر کیا۔ قدموں پر ٹوپی رکھ دوں۔ خدا غارت کرے۔!"

اس کے ذہن سے یہی خبط نہیں نکلتا کہ اقبال حادثہ میں مر چکے ہیں

"سارا قصور تمھارا ہے۔ تم نے اس خبط پر اور زیادہ پلاسٹر کر کے اسے مضبوط کر دیا ہے۔ پہلے ہی کہہ دیتے۔!"

"مجھے اس کی دل شکنی منظور نہ تھی۔!"

تم تو ثبوت رکھتے ہو۔!

"پھر کہتا ہوں کہ اگر اسے خود غم سے کچھ ہو جاتا تو پھر میں کیا کرتا۔؟"

"اچھا شجیع۔ میرے منانے سے وہ راضی ہو جائے تو۔ پھر۔!"

تو پھر۔؟" شجیع کچھ مسکرائے۔" بات تمھاری بہن کی ہے ادیب۔ کیا تم اتنے بھی قیافہ شناس نہیں۔؟"

ادیب نے ایک گہری سانس لی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئے۔

پھر شجیع بھی اپنے کمرے میں چلے آئے۔ ان دنوں ردحی نے بڑی مستعدی سے ان کی پوری تیمارداری اپنے ذمہ لے رکھی تھی۔! شجیع نے دیکھا کہ وہ اپنے سامنے ٹانک، دودھ کا گلاس اور پڑیا میں بندھی ٹیبلٹ لئے بیٹھی تھی۔! انھیں ہنسی آ گئی۔!

یہ کیا ہے بھئی۔!" انھوں نے کہا۔ اب تو میں بالکل ٹھیک ہوں۔ اور کل پرسوں سے یونیورسٹی بھی جانے لگوں گا۔ خواہ مخواہ ان کڑوی کسیلی چیزوں میں جو کچھ کہوں۔ وہ آپ کو کرنا پڑے گا۔" ردحی تنبیہہً انگلی اٹھا کر بولی" آپ نے سنا نہیں اس دن ڈاکٹر صاحب مجھے کتنے خفا ہوئے تھے

اور بھائی جان نے بھی کہا تھا کہ میں بڑی لاپرواہ ہو گئی ہوں۔
ڈاکٹر صاحب کو کچھ غلط فہمی ہو گئی ہے۔ لہٰذا وہ تمھیں اس قسم کی نصیحتیں کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں اور رہی ادیس کی بات تو وہ میرا سب کچھ ہے۔ محبت کے جذبے سے مجبور ہو کر وہ تمھیں خفا ہوتا ہے۔ اور بس۔"
وہ سب آپ کے اپنے ہیں۔ چاہنے والے آپ کا بھلا کرنے والے اور میں ۔ میں کوئی نہیں۔ وہ پھر رونے کے موڈ میں آ گئی۔
اچھا اچھا۔ وہ گھبرا گئے۔" میں سمجھ گیا۔ تمھیں بھی میری بڑی فکر رہتی ہے لاؤ بھائی۔ کیا کرنا ہے۔ کیا پینا ہے۔"
اس نے ہتھیلی کی پشت سے رگڑ کر آنکھیں صاف کیں اور پڑیا کھول کر ان کے سامنے بڑھا دی۔
یہ گگ۔ گولی۔ پہلے کھائیے۔ دودھ کے ساتھ۔ پھر دو چمچے ٹانک پی لیجیے۔" اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔
بتیجیع نے خاموشی سے اس کے حکم کی تعمیل کی۔!

"روحی۔!"

"اوں۔" اس نے ہولے سے کہا۔
لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کھلونوں سے میں بہل جاتا ہوں۔
روحی نے سر اٹھایا۔
"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔!"
سب سے بڑی مصیبت یہی ہے کہ تم کوئی مطلب نہیں سمجھتیں۔!"
روحی نے نہیں سنا کہ وہ کیا کہہ رہے تھے۔ وہ ان کا چہرہ تکتی رہ

گئی تھی۔ نسبتہً بیمار اور مرجھایا ہوا چہرہ۔ گالوں پر داڑھی پھیل گئی تھی۔ ا
مونچھوں نے بڑھ کر دہانہ بند کر لیا تھا۔ اسے یک لخت ان کی زبوں حالی پر
ترس آ گیا۔!

کیا سچ مچ ان کے دل میں اس کے لیے اتنا گداز موجود تھا۔ اس
دل کی دھڑکنیں روحی کے نام پر بے ترتیب ہوتی تھیں۔!

ایک مردہ آدمی کی محبت میں وہ زندہ انسان کا کب تک دل دکھاتی
رہے گی۔ اس سے کیا فائدہ پہنچ رہا تھا۔؟ اور اب تو سب کچھ جہاں کا
تہاں ہونے والا تھا۔ ادیس احمد اپنی روانگی سے قبل یقیناً کوئی فیصلہ
کریں گے اور وہ خود بھی کب چاہے گی کہ ہمیشہ ایسی ہی ڈانواڈول حیثیت
قائم رکھے۔

"کیا دیکھ رہی ہو اس طرح؟" وہ بڑے دلپذیر انداز میں مسکرائے
"دل کو چہرے پر دھڑکتا دیکھ رہی ہوں۔!"

"اچھا؟" وہ ہنس پڑے۔ "یہ فن آ گیا تمھیں!!"

دفعتہً اس نے آگے بڑھ کر ان کے سینے پر سر رکھ دیا۔ اور کئی بار
بے اختیاری کے تحت پھوٹ پڑی۔ لیکن آج شیخ کے بازو اس کے
وجود کا حلقہ کرنے کے لئے نہیں اٹھے۔ انھوں نے چپکے سے اسے
الگ کر دیا اور سنجیدہ لہجے میں بولے

"خود کو قابو میں رکھو۔ اگر کوئی آ گیا تو میری پوزیشن بڑی خراب ہو
جائے گی۔!"

پھر وہ اپنا سگریٹ کیس اور لائٹر اٹھا کر برآمدے میں چلے گئے۔!

روحی پر سکتہ سا طاری ہو گیا۔!

یہ کیا پانسہ پلٹ گیا۔

شجیع کے معاندانہ جواب خشک لہجہ اور ناگوار سلوک نے اسے بے حد دکھ دیا۔!

پھر اسے دنیا تاریک نظر آنے لگی۔ آگے کی ہر راہ مسدود، جینے کا کوئی بہانہ نہیں۔ اس کے اجڑے ہوئے خرابہ دل میں محبت کی ایک کرن کا بھی گذر نہیں۔ کیا وہ سچ مچ اپنی بہار دل میں آپ آگ لگا رہی تھی۔ آخر کب تک وہ اپنے منگیتر صاحب کا سوگ مناتی رہے گی۔! اگر وہ سچ مچ اس دنیا میں نہ رہے ہوں تو۔ وہ خواہ مخواہ ان کی یاد میں زندگی تباہ کئے جائیگی

اپنے کمرے میں اکیلی بیٹھی وہ اپنے تکلیف دہ خیالوں کے بھنور میں جکڑا رہی تھی۔ اس کی ہر سوچ کی راہ میں اچانک شجیع کا بے مہر رویہ پہاڑ کی طرح آ کھڑا ہوتا۔

اس نے آج تک ان کے کسی سلوک کی پذیرائی نہیں کی تھی۔ ان کا دل بھی اسی طرح دکھا ہوا تھا۔ انھوں نے بھی اسی کی طرح بڑے دکھ سے بہت کچھ سوچا ہوگا۔ اس کا سرد رویہ تاؤ۔ خشک لہجہ یقیناً انھیں بھی ایسا ہی ناگوار ہوا ہوگا۔! تب۔ تب۔ اس نے اتنی سی بھی پرواہ نہ کی۔ اور اب جبکہ اس کا سلوک اسے واپس دے دیا گیا ہے تب وہ کیوں پاگل ہو رہی ہے۔! کیا جاسس دل صرف اسی کے پاس ہے۔! وہ دل جس پر اس کی بے رخی کی چنگاریاں برستی تھیں۔ وہ بھی پتھر کا نہ تھا۔!

اور تب وہ سسک سسک کر رو دی۔ نہیں۔! میں آپ کی بے رخی

سہہ نہیں سکتی"

شام تک وہ ایک اور ناگہانی مصیبت سے دوچار ہوئی۔!

ادیس احمد کے مدعوئین آ پہونچے۔!

سارہ لپک کے روحی سے لپٹ گئی۔"بے مروت تم نے ایک خط نہیں لکھا۔ میری رتی بھر پرواہ نہ کی تم نے"!

روحی اس کی شاکی تھی۔"تم نے کون سی خیر خواہی کی ہے میرے ساتھ میرے گھر سے جانے کی خبر افضال بھیا کو پہنچا دی۔!"

"نہیں روحی۔! میں تمھاری بدخواہ نہیں" سارہ بولی۔ اور اس سے سب قصہ کہا۔ روحی حیران تھی۔

"تمھیں مارا پیٹا انھوں نے؟"

"ہاں۔ سارے بدن پر نیل ڈال دے۔ گھر ٹھال لیا۔ ماما کی حیثیت دے دی۔" سارہ بولی۔

"وہ ساتھ نہیں آئے۔ کہاں ہیں۔" روحی نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔ دس پندرہ روز سے گھر کی صورت نہیں دیکھی نہ اپنی شکل دکھائی۔ اماں بے چاری۔ روتی رہتی ہیں کہ ایک بٹیا دنیا سے گیا دوسرا موجود ہے مگر اس کا ہونا نہ ہونا سب برابر ہے۔ تم اپنی کہو۔ بھیا بڑے طیش میں تھے۔ کہ تم نے سچ بھیا سے شادی کرلی ہے۔"

"ہاں۔" وہ افسردہ سی مسکرائی۔

"راخمہ کہاں ہیں۔؟"

"باہر ہوں گی۔ انھوں نے بھی ادیس بھائی سے نکاح کرلیا۔!"

"اچھا؟"

سادہ۔ میں ماموں ابا اور ممانی اماں سے کیسے ملوں گی؟۔
ان کے دم خم رخصت ہوچکے روحی۔ بہت ٹوٹ گئے ہیں"
سادہ بولی۔

سب دالان میں بیٹھے تھے۔ شجیع اور ادیس نے بڑے احترام سے دونوں بزرگوں کا خیر مقدم کیا تھا۔ روحی نے دراز سے جھانک کے دیکھا ماموں ابا تو بالکل ضعیف ہو رہے تھے۔ ہڈیوں کا پنجر، کمر جھکی ہوئی ان کی گفتگو سے صاف ندامت جھلک رہی تھی۔ ممانی اماں بھی گم صم لگ رہی تھیں۔!

روحی بٹیا کہاں ہے "ممانی اماں نے بے حد کمزور لہجے میں پوچھا یہاں سے ادیس میاں نے لکھا تھا۔ کہ وہ ان کی مرضی اور خواہش پر ہمارے گھر سے گئی تھی۔ مگر وہ کہہ کے توجاتی۔ میں ہرگز نہ روکتی۔ اللہ مبارک کرے شجیع میاں بھی ہمارے خاندان میں شامل ہوگئے۔!

وہ زمانے نگاہوں میں پھر رہے ہیں۔ شجیع میاں کبھی کبھی روز آکے ہمارے یہاں رہتے تھے۔ ماموں ابا نے گرہ لگائی۔ اب بڈھے غریب ماموں ممانی کو ایسے بھولے ہیں کہ آنا تو درکنار چار سطریں لکھ کبھی نہیں بھیجے یہ بات نہیں ہے قبلہ۔ شجیع نے جان بوجھ کر اپنے لہجے میں دامادی انکساری پیدا کی "دراصل۔ میں مصروف اس قدر رہتا ہوں یہ تو ادیس صاحب نے زبردستی چھٹی دلوائی ہے۔ ورنہ"

اور مزید براں۔ تمھارا ہم بوڑھوں کے پاس جی کیا لگے گا اقبال ہوتا

تو شاید۔ اسی کی کشش لیجاتی تھیں!۔ ماموں ابا نے کہا۔ ماحول پھر غمناک ہو چلا تھا کہ شجیع نے جلدی سے ردی کو بلوالیا۔

ممانی اماں اسے گلے سے لگا کر سوکھی سسکیاں لینے لگیں۔! بات رفع دفع ہوئی۔! شجیع یہ کہہ کر اٹھ گئے کہ ان کے قیام کے لئے کمرے درست کروائیں۔

ادیس بیٹھے رہے۔

میاں اب تو تم چلے جاؤ گے شاید۔ ممانی اماں نے ان سے پوچھا۔

جی بس۔ ہفتہ بھر بعد"۔ ادیس نے کہا۔" اور اب آپ دونوں بلکہ تینوں کے مستقبل کے لیے انشاء اللہ کچھ کرکے جاؤں گا۔! اب تک میں نے جو مجرمانہ غفلت برتی۔ اس کا خمیازہ ہم سب کو بھگتنا پڑا۔ آئندہ ایسا نہ ہو گا۔!"

"ہاں بیٹے۔ سب ہی کچھ تو تباہ ہوا۔ ایک اقبال کیا گئے کہ بغیر شعوری اور غیر ارادی طور پر سب ادھر ادھر ہو گئے۔! ماموں ابا نے کہا۔ لیکن اب ہمارے لیے تم نے کیا سوچا ہے۔ ہم نہیں سمجھے۔!

ماموں ابا۔ بڑا اہم مسئلہ سارہ کا ہے۔! ادیس نے کہا۔ میں اسی کے لیے شجیع سے بات کر دوں گا۔ آپ کو تو پرویز یاد ہو گا۔ اب وہ ماشاء اللہ ہیڈ لسین کے آخری سال میں ہے۔ اگلے سال تک پاس ہو کے پریکٹس شروع کر دے گا۔ اگر سارہ کے لیے شجیع نے حامی بھری تو یوں سمجھئے کہ ایک بڑا دشوار مسئلہ حل ہو گیا۔ کیا خیال ہے!؟"

دونوں بزرگوں کی دھندلی آنکھوں میں عجیب سی چمک پیدا ہوئی۔!
ماموں ابا نے مرتعش لہجے میں کہا: "بیٹے میاں۔ ہم مفلس لوگوں کی لڑکی
قبول بھی کریں گے؟"

ادیس ہنسنے لگے۔ "ماموں ابا۔ آپ بھی بہت عرصے سے اسے
جانتے ہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ آپ ابھی تک اسے سمجھ نہ سکے۔! وہ
ایسا آدمی نہیں ہے۔ ماموں ابا وہ تو زمین کا فرشتہ ہے۔ وہ کبھی
آپ کو اپنے سے کم نہیں سمجھتا۔ بڑی خوشی سے سارہ کو اپنے خاندان
میں قبول کرے گا۔!"

وہ چپ ہو گئے۔ روحی متحیرانہ انداز میں ادیس کو دیکھ رہی تھی۔
اس کا دل گڑ دل اچھل رہا تھا۔ کاش جلد موقع مل سکتا کہ وہ راقعہ
کے چٹکیاں لے کر یہ خوش خبری سنا سکتی۔!

رات کو اپنے تفریحی ٹور سے پرویز آگیا۔! اپنے سنسان گھر میں
(جس میں اس کے قول کے مطابق الو بولتے تھے) اس نے بڑا چہکتا ہوا
مجمع دیکھا۔ روحی نے فوراً اسے بتا دیا کہ ماموں ابا ممانی اماں آئے
ہیں اور سارہ سے اس کا رشتہ طے ہونے لگا ہے۔!

"مائی گڈنس" وہ تقریباً دو بالشت اچھلا۔ اور تیزی سے سر
کھجانے لگا۔"

"او بھابی۔ ابھی میں نے اپنا سر نہیں منڈوایا۔ مگر اولے پڑنے
لگے۔ آپ نے بھائی جان اور کیا نام ادیس بھائی سے کہا نہیں کہ میں
فی الحال زیر تعلیم ہوں"

"اے لو۔ میں کیا کہتی"۔ ردحی ہنس پڑی۔ "یہ کوئی ایسی بات ہے جو دونوں کو معلوم نہیں ہے؟"

"اچھا۔ وہ محترمہ۔ ہیں کہاں؟" شرارت سے پرویز نے پوچھا۔

"کیوں؟"

"ارے شاید دس سال قبل انھیں دیکھا تھا۔ پتہ نہیں۔ دس سال بعد بدولت کیسی نکلی ہیں۔"

"بلاؤں۔" ردحی ہنس کر بولی۔

"انھیں اطلاع تو نہیں ہے کہ اس جانب سے ان کی بات بطلب یہ کہ کہیں محترمہ پردہ نہ شروع کر دیں۔"

"سنو پرویز۔ وہ بے حد اچھی ہے۔ میرا بڑا ساتھ دیا ہے اس نے۔ کھرے سونے کا دل ہے اس کا۔"

"اچھا۔ یعنی کہ رتی برابر بھی کھوٹ یا ملاوٹ نہیں ہے؟"

"بالکل نہیں۔ بچی [illegible] پیاری ہے کہ بس تمھارے ہی قابل ہے۔"

"واہ۔ کیا میں اتنا پیارا نہیں کہ ان کے قابل ہوں۔"

"دونوں ایک دوسرے کے لئے بنے ہو چشم بد دور۔" ردحی بولی۔

"واقعی!" پرویز نے ندیدے پن سے رال منہ میں گھونٹی اور خوشامد سے دانت نکال کر بولا۔ "اچھا تو عقد مسعود کی تاریخ کون سی رکھی ہے۔ ہمارے بزرگوں نے؟"

"آہا۔ بڑے مزے میں آ گئے۔ ابھی کہاں کی تاریخ؟" ردحی نے ہاتھ نچایا۔ "ابھی تو تم سے دس دفعہ ناک رگڑ وائی جائے گی۔"

ہی سبھی بھی گھس جائے گی!" پرویز مغموم لہجے میں بولا۔ روحی ہنسنے لگی دفعتہً وہاں سارہ آگئی۔ اور پرویز کو دیکھے بغیر بولی۔

"روحی۔ آخر مجھے بھی باورچی خانے میں جانے دو نا۔ رافعہ نے وہاں میرا داخلہ بند کر دیا۔ کہتی ہیں کہ تم مہمان ہو۔ آرام کرو۔ مگر میں تو خود کو مہمان نہیں سمجھتی۔!"

"حزاک اللہ" پرویز نے لقمہ دیا۔

"ہائے اللہ۔ روحی۔ آپ کون ہیں۔ سارہ سمٹ گئی

"خاکسار کو نہیں پہچانا" پرویز بولا۔

"میں کیا جانوں" سارہ نے ابرو سکوڑے

"ٹھیک ہے۔" پرویز نے کہا۔ پھر روحی سے بولا "بھابی پلیز آپ تعارف کرا دیجیے"۔

"تم دونوں انجان بن رہے ہو۔" روحی بولی "پرویز بھیا۔ یہی تو سارہ ہے سارہ۔! اف فوہ۔" پرویز بوکھلایا۔ "ارے اللہ۔ آپ کو دیکھ کر مجھے ہوا بھر اغبارہ یاد آ رہا ہے۔ پہلے کتنی دبلی پتلی ہوا کرتی تھیں اب تو آپ کو گھوم پھر کے دیکھنا پڑے گا۔!"

"آپ ہی کون سے نازک بدن ہیں۔ سارہ جھلس گئی۔" دس سال پہلے کی بات مجھے یاد ہے۔ ہائے توبہ۔ بھائی جان کے ساتھ آئے تھے۔ چار انگل کا سینہ۔ تنکے ایسے ہاتھ پاؤں۔ اتنے گندے لگ رہے تھے کہ ایک مرتبہ دیکھ کر دوسری مرتبہ دیکھا ہی نہ گیا۔ ان دنوں نزلہ تھا شاید۔ مارکے پھٹا پھٹ چھینک رہے تھے۔ ناک سڑک رہے تھے۔ چھی چھی چھی

پرویز ہنسی ضبط کر کے بولا۔ اجی حبیب کی بات چھوڑیئے۔ مجھے کون سا حسن کے مقابلہ میں حصہ لینا تھا۔ میں مرد بچہ تھا جیسا بھی تھا۔ اور مردوں کی صورت کون دیکھتا ہے۔ لیکن آپ جو خود کو قلو پطرہ سمجھ رہی ہیں۔ وہ بھی غلط ہے۔ آپ اپنا چاند سا مکھڑا آئینے میں نہیں دیکھتیں شاید۔ یا پھر مارے احساس حسن کے آپ کو اپنی ترکیب کے بیچ کی سی ننھی ننھی واہیات آنکھیں گاجر کی سی مہمل ناک، گھنیاں کے سے خرافات ہونٹ اور شلجم کا سا پھیکا بدمزہ رنگ نظر نہیں آیا۔ اور یہ بیٹھے کا سا موٹا بدن :"

بس۔!" سارہ دانت پیس کر بولی "کوئی اور ترکاری سبزی مجھ میں ہونے سے رہ تو نہیں گئی۔! خود کو نہیں دیکھتے۔ سڑک کوٹنے کا انجن :"

شاید ادیس نے شجیع سے کوئی فیصلہ کن گفتگو کر لی تھی۔ کیونکہ انھوں نے اسی رات کو پرویز سے پوچھا تھا۔

"تمھیں سارہ کیسی لگتی ہے۔ کیوں۔؟"

شجیع پر ایک چور نگاہ ڈال کے اور کچھ بوکھلا کے پرویز نے جواب دیا۔ نیکی اور پوچھ۔ پوچھ۔ یعنی کہ میں کچھ کنفیوز ہوں۔ اس موقعہ پر مجھے یہ کہنا چاہیئے کہ عزت افزائی کا بہت بہت شکریہ۔ معاف کیجئے گا۔

شجیع ہنسی ضبط کرنے کے لیے کھنکھارے اور چہرہ جھکا کے گریٹ سلگانے لگے۔ ادیس نے قہقہہ لگا کر کہا "ابے میں صرف یہ پوچھ رہا ہوں کہ تمھیں سارہ پسند ہے کہ نہیں۔؟"

ہٹیئے۔!" وہ نسوانی انداز میں بدک کر بولا۔ "اب میں اپنے منھ سے کیا کہوں"۔ اور ان کے سامنے سے اٹھ کر بھاگ گیا۔

بالکل احمق ہے۔ اویس نے ہنستے ہوئے کہا۔
مجھے وہ لڑکی ہمیشہ سے اچھی لگتی ہے۔ شجیع نے کہا۔ ایسی تیز طرار لڑکیاں بڑی صاف گو صاف باطن اور مخلص ہوتی ہیں۔!"
میں نے ماموں ابا سے کہہ دیا تھا کہ وہ رقم جو میں نے ردمی کے بیاہ کے لئے بھجوائی تھی۔ اب سارہ کے لئے بینک سے نکلوالیں۔"
تم نے بہت اچھا کیا۔! شجیع بولے۔"
لل لیکن۔ اب ردمی کو دینے کے لئے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔!"
اویس کے منہ سے نکلا" جو کچھ لایا تھا۔ وہ یہاں خرچ ہو گیا۔
پاگل تو نہیں ہو گئے۔ یہ سب کہنے کا مقصد کیا ہے۔" شجیع چیں بجبیں ہو کر بولے۔ اوہو۔ اب سمجھا۔ تم نے گھما کر ناک پکڑی ہے شاید!" وہ جان بوجھ کر مسکرائے۔" لیکن میں نے رافعہ کے نام سے کچھ بھی جمع نہیں کیا!
بخدا میرا وہ مطلب نہ تھا۔!" اویس نے شرمندگی سے کہا۔
اچھا تو اب مزید بکواس بھی مت کرو۔!"

بالآخر وہ گھڑی آہی گئی کہ جب اویس احمد اور ان کی بیوی رافعہ کو واپس جانا تھا۔! رافعہ تو متاثر تھی ہی لیکن اب کی اویس بھی بہت متاثر اور مغموم لگ رہے تھے۔ اداسی ان سے کھا گئی تھی۔ وہ ہنسنے ہنسانے والے آدمی تھے۔ لیکن ان دنوں بہت خاموش ہو رہے تھے۔ ان کی یہ

اداسی اور خاموشی کم و بیش سب پر اثر انداز ہونے لگی تھی۔ اگر راتعہ چھپ چھپ کر روتی تو روحی بھی اس کے ساتھ رونے لگتی اسے یوں بھی رونا بڑی جلدی آتا تھا۔

ماموں ابا اور ممانی اماں مع سارہ کے پھر حیدرآباد جا چکے تھے!۔ ادیس نے پرویز اور سارہ کی نسبت بھی پختہ کردی تھی۔ ویسے شجیع نے کہہ بھی دیا تھا کہ وہ ہرگز ہرگز سارہ کے والدین سے ایک پائی بھی نہیں لیں گے۔ لیکن ماموں ابا کو وہ رقم تو بہر حال نکلوانی تھی ہی جو روحی کے نام سے جمع تھی۔ ادیس نے وہ رقم سارہ کو دے دی تھی!۔ ان کے بوڑھے ستم رسیدہ ماموں ان کی اس فراخدلانہ پیش کش سے بڑے متاثر ہوئے تھے۔

روحی ہمیشہ کی طرح پھر ڈگمگ کرتی اس ناؤ پر آکھڑی ہوئی جو بھنور میں چکرا رہی تھی!۔ اب اس کی حالت قابل رحم ہونے لگی تھی۔ پہلے وہ شجیع سے گریزاں تھی اور وہ جویا تھے۔ اب معاملہ برعکس ہوگیا تھا۔ اب وہ ان کے التفات و توجہ کی طالب تھی۔ اور شجیع گریزاں۔ اس کی فطرت عجیب و غریب تھی۔ شجیع کی بے توجہی اسے خون کے آنسو رلا رہی تھی۔ وہ یہی چاہتی تھی کہ شجیع ہمیشہ کی طرح اس کی ناز برداری کریں۔ اور نیاز مند بنے رہیں۔!

روحی بوکھلانے لگی۔ اگر ادیس بھی چل دئے۔ اور شجیع نے بھی توجہ نہ دی تو پھر وہ کتنی بے سہارا ہو جائے گی۔ خود کو کتنی غیر اہم ہستی سمجھے گی جس پر کسی نے بھی توجہ نہ دی۔ کسی قابل ہی نہیں سمجھا۔

کیا وہ ہمیشہ اپنی اس غیر یقینی پوزیشن میں ان کے گھر میں رہ سکے گی۔!

ایک دن ہمت کرکے اس نے ادیس احمد کے سامنے اپنے مسائل رکھ دئے۔! انھوں نے بے حد خشک اور بے رحم لہجے میں کہا۔

"میں کیا کر سکتا ہوں !۔ جو کچھ تمھاری الٹی کھوپڑی میں آیا ہے۔ تم نے کیا ہے۔ اب جو کچھ اور سوجھے وہ بھی کر گزرو۔ یا تو پھر۔ میں تمھارا بندوبست کسی ہوسٹل میں کر دوں۔ اپنی تعلیم مکمل کرو۔ اور کسی اسکول میں ملازمت اختیار کر لو۔!

بس،" وہ دکھ کے مارے نیم جان ہونے لگی۔

اور کیا" ادریس نے ظالمانہ انداز میں کہا۔ ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کہیں ایک کمرہ کرایہ پر لے کر رہنے لگو۔ میں کچھ روپیہ بھجواتا رہوں گا۔! یا پھر کوشش کروں گا کہ اپنے پاس بلوا لوں۔"

وہ رونے لگی۔! اتنے بھی ظلم و ستم کی توقع اسے نہ تھی۔!

ادریس نے کہا۔" آخر تم چاہتی کیا ہو۔ روحی ۔! ہم نے جو ترکیب زندگی گزارنے کی بتائی ہے۔ وہ تمھیں منظور نہیں ہے اور تمھاری یہ مرضی کہ تم ایک غیر مرد کے گھر میں کسی جائز حق کے بغیر رہو گی۔ مجھے منظور نہیں۔! میرا مشورہ تو اب یہ ہے کہ تم کسی مسجد یا خانقاہ یا درگاہ میں جا بیٹھو اور مزار دانہ پر اقبال احمد کا نام پڑھو۔ اور اس کے سوا کوئی دوسری صورت تمھارے مستقبل کی صورت گری کی نہیں ہے۔"

بھائی جان۔ بھائی جان۔ آپ۔" وہ آپے میں نہ رہ سکی فضول ہے۔

اب بھائی جان تمھارے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔ ادریس بولے۔

"آپ کے جانے کے بعد میں بھی کچھ کھا پی کے سو جاؤں گی۔"

ہر بات اوندھی کھوپڑی کی کرو گی۔ مگر وہی نہیں کرو گی۔ جو میں کہہ رہا ہوں۔ وہ گرجے۔

آپ بھی الٹی پلٹی باتیں کر رہے ہیں۔" وہ بولی۔

"تمھارا ہاتھ تھامنا تمھیں سہارا دینا چاہتے ہیں۔ یہ الٹی پلٹی بات ہے؟؟" ادیس احمد نے کہا۔

میری عزت و توقیر کو آپ کچھ سمجھتے ہی نہیں ہیں۔"

اور اب رہی سہی عزت کا جو جنازہ نکلے گا۔ اس کے بعد واقعی خودکشی تمھاری تقدیر بن جائے گی۔!"

وہ چپ ہوگئی۔! اچانک حالات کی ایک ہولناک تصویر اسے اپنی جھلک دکھا کے روپوش ہوگئی۔

"اب بھی سویرا ہے۔ سوچ لو۔ روحی!"

"بھائی جان۔ وہ۔ وہ۔ مجھ پر اعتبار نہیں کرتے تو کیا فائدہ" "کیسے پتہ چلا؟"

کیوں انھوں نے تالا ڈال دیا تھا۔ مجھے دیکھ کر۔؟"

روحی۔ اب کچھ عقل سیکھو۔! وہ بڑے شریف آدمی ہیں۔ انھوں نے تمھیں اپنے گھر میں اس طرح پناہ دی ہے جیسے سیپ میں موتی۔ اور تم ان کی نیت پر شک کرنے کا گناہ کرتی ہو۔"

ادیس کا لہجہ تلخ ہوگیا۔ "تمھیں پتہ نہیں کہ رات سے انکی طبیعت پھر خراب ہوگئی ہے۔ شاید وہ میری مفارقت پر ذہنی طور سے متاثر ہوگئے ہیں۔ میں بہت پریشان ہوں۔ میرا جانا بھی ضروری ہے۔ اور یہاں کے حالات بھی اتنے پریشان کن ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ آخر یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔؟ اب کیا ہوگا۔؟"

روحی نے بے حد جھجکتے ہوئے پوچھا "انھیں کیا ہوا ہے بھیا؟"
سر چکرا گیا تھا۔ گر ہی پڑتے اگر میں سنبھال نہ لیتا۔ تم نے ان کی صحت و زندگی کی اتنی سی پرواہ بھی نہ کی کہ کم از کم وقت وقت پر انھیں دوا ہی دے دیتیں۔ بڑے افسوس کی بات ہے۔"
زیادہ لعنت ملامت روحی سے برداشت نہ ہوئی۔ ادیس اچھا اٹھ کر چلے گئے۔ اور روحی اپنی تکلیف دہ سوچوں میں گھری وہیں بیٹھی رہی۔!
بیچ اپنے کمرے میں تھے!
بکروں نے بیماری کا روپ دھار کر پھر ان پر حملہ کر دیا تھا۔ وہ اپنے بڑے دیوان کے سہتے پر سر رکھے لیٹے تھے۔ اور پیروں پر کمبل ڈال رکھا تھا۔ انجانے ان کے دماغ میں کیسی کیسی آندھیاں چل رہی تھیں کہ ایک المناک تاثر سے چہرہ بھی محفوظ نہیں رہا تھا۔
"میں بہت زیادہ سوچتا ہوں۔ بہت زیادہ۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ اس دنیا میں بہت سے مسافر ہیں۔ ہر راہ کے مسافر۔ جو آہستہ آہستہ اپنی منزل پر پہونچ ہی جاتے ہیں۔ لیکن جب میرے قدم کسی راہ پر نہیں پڑے تو میں منزل کی چاہ میں کیوں تڑپ رہا ہوں۔ او میرے خدا۔ مجھے ادیس سے بس یہی کہنا ہے کہ وہ اپنی بہن کا کچھ انتظام کرتے جائیں۔ اور پھر سب کچھ پہلے کی طرح ہو جائے گا۔ لوگ ایک دوسرے سے ابد تک کے لئے جدا ہو جاتے ہیں۔ کسی نہ کسی طرح دل کو قرار آ ہی جاتا ہے کیا مجھے نہ آجائے گا۔ بس ذرا سا دل کو بہلانا پڑے گا۔" وہ ایک کربناک سی ہنسی ہنسے! اور آنکھیں بند کر لیں۔!

ادریس نے اندر جھانکا۔ آواز دی۔ "سو رہے ہو بھائی۔"

نہیں۔ آؤ۔" وہ اٹھ بیٹھے۔

اب خود کو کیسا محسوس کر رہے ہو؟" ادریس اندر آئے

ادریس ـ" وہ ہنسنے لگے۔

خدا جانے مجھے کیا ہو گیا ہے

خرد بیزار دل سے دل خرد سے

نہ جانے ایسے ناقابل گرفت جذبے بے چارے کمزور انسان پر کیوں حملہ کر دیتے ہیں۔ جن سے نبرد آزما ہونا۔ انسان سے ممکن نہیں۔ بھائی تم سے جدائی کا خیال بھی کچھ کم تکلیف دہ نہیں۔ تمھارا آنا نہ تھا ظالم مگر تمہید جانے کی اور میرا یہ حال ہے کہ روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد۔ تمھاری رفاقت کے کچھ مزے ہی نہیں لئے۔ اب خدا جانے ہم تم کب ملیں گے۔؟"

"شجیع خدا کے لئے چپ ہو جاؤ۔ میں اب رونے لگوں گا۔ بڑی مشکل سے دل کو سمجھا رہا ہوں۔ ادریس نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ "یہ سارے خیالات تمھارے مایوس دماغ کی پیداوار ہیں۔ شجیع خدا کے لئے۔ اب یہ قنوطیت، گوشہ نشینی عزلت پسندی اور مردم بیزاری چھوڑ دو۔ رجائی بنو۔ کون سا ہمیں دنیا میں بار بار آنا ہے بھیا۔!"

ایک ہی بار آ کے پچھتا رہے ہیں۔ اپنی خوشی سے نہیں آئے نا۔" شجیع اس طرح ہنسے کہ ان کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ "دوبارہ دونوں جہاں دے کے بھی کوئی ہمیں یہاں بھیجے تو ہم نہ آئیں۔!

"میں تم سے کتنی دور... میں سوچتا رہوں گا کہ تم نے اپنے بیمار خیالوں بیمار

جسم کے ساتھ آخر کس طرح اور کون سا سمجھوتا کیا ہے"۔
کیا ضروری ہے کہ میں ان ناقابل بھروسہ چیزوں کے ساتھ کوئی سمجھوتہ بھی کروں۔ وہ اپنا کام کریں گے۔ اور میں اپنا"
ادریس دو لمحوں تک خود کو اڈجسٹ کرتے رہے۔ پھر بولے "خیر اب میں خود ہی کہہ دوں۔ اسے میں نے سمجھا دیا ہے۔ اب تم اپنی مرضی ظاہر کرو۔ تمھارا ابھی جواب نہیں" وہ ہنسے۔ بیماری سے علاج بھی تجویز کراؤ گے۔
شجیع!" دفعتہً ادریس نے کہا۔ وہ تم سے اس لیے بگڑی ہوئی ہے کہ تم نے اسے کچھ ناقابل بھروسہ۔ کیا کہتے ہیں کہ غیر سمجھا تھا۔ وہ آئی تھی تمھارے کمرے میں اور شاید۔ بھائی میں سخت شرمندگی محسوس کر رہا ہوں اسکی حماقت کی کہانی تم سے کہتے ہوئے۔ مگر اس لئے کہنے پر مجبور ہوں کہ اسی طرح آپس میں صفائی ہو جائے۔ ہے نا؟"
بے شک۔ بے شک!" شجیع نے حیران ہو کر کہا "کہو۔ کیا شکایت ہے روحی کو مجھ سے؟ کیا کیا ہے میں نے؟"
وہ تمھارے کمرے میں آئی تھی۔ اور شاید تم نے اپنی تجوری مقفل کر دی تھی تمھاری شکایت ہے کہ۔ تم نے اسے ناقابل اعتبار سمجھا تھا۔"!
او۔ ہو۔ تو یہ بات ہے" شجیع نے ایک طویل سانس لیکر کہا "اچھا تو ادریس۔ ذرا روحی کو آواز دو۔ میں اسے بتا ہی دوں کہ۔ میں اس سے کون سی چیز چھپانا چاہتا تھا۔"!
ابھی بلاؤں۔؟"
ابھی اور۔ فوراً۔!

ادریس نے دالان کا دروازہ کھولا اور روحینہ کو آواز دی۔ وہ ابھی تک ایک جگہ بیٹھی تھی۔ ان کی آواز سن کر چونکی۔!

تیز قدم اٹھاؤ۔ جلدی آؤ۔ ادریس نے کہا۔ اس سے خفا تھے۔ روحی خائف اور مذبذب سی کمرے میں داخل ہوئی۔ تب ادریس نے زور سے دروازہ بند کیا اس نے چپکے سے پوچھا۔

پروفیسر صاحب کی طبیعت کیسی ہے۔

ٹھیک ہے۔ سنو۔ وہ تم سے کیا کہنا چاہتے ہیں۔ ادریس نے خشک لہجہ میں کہا شجیع نے اپنی جیب سے کنجی نکالی اور روحی کی طرف بڑھا دی۔

"روحی۔! میری تجوری کھولو۔ اس میں خاکی رنگ کا بڑا سا لفافہ رکھا ہے وہ لے آؤ۔"

وہ لے آؤ۔ ادریس نے احمقانہ لہجے میں دہرایا۔

روحی کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ اس نے کنجی لی۔ اور بمشکل تجوری کھول کر لفافہ نکالا۔ اور ان کی طرف بڑھا دیا۔

اس میں کیا ہے۔ شجیع؟ ادریس سے بھی اب رہا نہ گیا۔

بیٹھ جاؤ۔ روحی۔" شجیع نے کہا۔" میں بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ ادریس کی موجودگی ہی میں اس غلط فہمی کا ازالہ ہو جائے۔ اور تمھاری شکایت بھی کہ میں تمھیں بھر دسہ کے قابل نہیں سمجھتا۔!

بھیا۔" شرم و خجالت کے مارے روحی نے احتجاج کیا۔

تمھاری کوئی غلطی نہیں۔" شجیع نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔" یہ میری ہی ترجیحی اور کمزوری تھی کہ میں نے صرف تمھاری دل آزاری کے خیال سے اور اس خیال سے

بھی کہ تمھاری کوئی خوش رنگ و جانفزا امید نا امیدی اور یاس سے نہ بدل جائے اس راز کو ابھی تک راز ہی رکھا تھا۔! مگر — !"

کیا "ان" کی کوئی خبر کہیں سے آئی ہے۔ بے ساختہ روحی نے پوچھا۔

ادیس! تم نے سنا۔!" شجیع نے گلہ کیا۔

اب تو میں بھی بے چین ہو رہا ہوں۔ جلدی بتاؤ۔ اس میں ہے کیا۔؟ ادیس نے کہا۔

ابھی بتاتا ہوں۔" شجیع نے کہا۔ ادیس سنو۔! اقبال احمد ملازمت کے سلسلے میں میرے پاس آرہے تھے۔ بلکہ انھیں میں نے بلایا تھا۔ میں ان کا منتظر بھی تھا انھوں نے اپنی آمد کی پوری پوری تفصیلی اطلاع مجھے دی تھی۔! لیکن۔ قدرت کو نہ جانے کیا منظور تھا کہ وہ نہیں آئے۔ ان کی ایک منحوس اطلاع مجھے ملی کہ جس پلین سے وہ آرہے تھے۔ حادثہ میں تباہ ہو گیا۔ الہ آباد ایرپورٹ سے تھوڑے فاصلہ پر میں نے بھی بھاگم بھاگ جا کے دیکھا تھا کہ پلین کا شکستہ و خستہ ملبہ پڑا ہوا تھا۔ اور فوجی رضا کار ادھر ادھر سے ہلاکین اور مجروحین کو نکال رہے تھے۔ انھیں میں۔ بیچارے اقبال احمد بھی تھے۔! اف فوہ۔ کیا بیان کروں۔ میں الم سے۔ ان کا جسم چکنا چور ہو گیا تھا خون میں لت پت وہ ایک طرف پڑے ہوئے تھے۔! میں دیر تک یاد نہ کر سکا کہ وہ وہی زندہ سلامت اقبال تھے۔ جو کئی امیدیں لئے ہر طرح صحت مند اور تندرست میرے پاس آرہے تھے!۔ آدمی کتنا بے حقیقت جانور ہے۔!

وہ چپ ہو گئے۔!

روحی نے مردہ آواز میں کہا۔ آپ کے خط میں تو لکھا تھا کہ وہ لاشوں میں

اور زخمیوں میں نہیں ملے تھے۔!"

ایک ٹھنڈی سانس لیکر شیخ الرحمٰن نے پھر کہا۔ ان کے حادثے کے ایک آدھ ہفتہ بعد افضال احمد کا خط آیا میرے پاس۔ جس میں انھوں نے لکھا تھا کہ میری والدہ۔ اور اقبال صاحب کی منگیتر زوجینہ اس غیر متوقع المناک حادثے پر زندہ درگور ہو رہی ہیں۔ کوئی دلدہی کوئی دلاسہ کام نہیں آرہا ہے۔ لہٰذا آپ یہ لکھ کے فوراً بھجوا دیجئے کہ اقبال احمد لاشوں اور زخمیوں میں نہیں ملے۔! آہ اویس اپنے دوست کی ابدی جدائی پر میں بھی زندہ درگور تھا میں نے تب اندازہ لگایا تھا کہ جب میرا یہ حال ہے تو بے چاری غم نصیب ماں اور اسکی ستم رسیدہ منگیتر کا کیا حال ہوگا بس افضال احمد کے خط کے جواب میں وہی سب کچھ لکھ کے بھیج دیا۔ جس کی انھوں نے مجھ سے خواہش کی تھی۔!

وہ تمھیں لاشوں میں ملے؟" اویس احمد نے گلا صاف کر کے پوچھا۔

ہاں اویس" شیخ نے جواب دیا۔ "وہ مجھے ملے۔ میں انھیں گھر لایا میرے ساتھ چند احباب اور شناسا لوگ تھے۔ جنھوں نے اس کسمپرسی اور غمناک صورت حال میں میرا پورا پورا ساتھ دیا تھا۔ اس روز گھر پہ پردیز اور دانو نہیں تھے میں نے کسی کو اطلاع بھی نہیں دی۔ خود ہی اقبال احمد کی تکفین کی اور جب۔ وہ کفن میں لپٹے بوریہ پر آخری سفر کیلئے لیٹے تھے تب میں نے یادگار کے طور پر ان کی میت کی چند تصویریں لے لی تھیں۔! پھولوں میں چھپا ہوا جب میرا مرحوم دوست خاموش آرام کر رہا تھا۔!

شیخ کی آواز رندھ گئی۔ انھوں نے آستین سے اپنے آنسو پونچھے اور پھر لفافہ سے تصویریں نکال کر سامنے میز پر رکھ دیں۔!

اویس نے جھک کر ان پر نظریں ڈالیں۔ روحی نے اپنا چہرہ چھپا لیا۔

دو تین منٹ ماحول پر ایک غمناک سکوت طاری رہا۔ پھر شجیع نے کہا۔"

یہی وہ چیز تھی جسے میں روحی کی نگاہوں سے بچانا اور ان سے چھپانا چاہتا تھا بس انھیں شاید یہ غلط فہمی ہوتی کہ۔ بہت قیمتی کوئی چیز ہے۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں۔ میرے پاس ہیرے جواہرات۔ دھن دولت کچھ بھی نہیں بہت غریب آدمی ہوں۔!

"بس کرو۔ یار۔ دل کے ٹکڑے اڑ گئے ہیں۔" اویس احمد نے بھی اپنی پرنم آنکھیں خشک کرتے ہوئے کہا۔" اس کی وہ متبسم شکل نظروں میں پھر گئی ہے۔ اس کے ابھی مرنے کے دن نہیں تھے۔!"

"لیکن تم اقبال کے والدین کو اس حقیقت سے آگاہ نہ کرنا۔" شجیع نے کہا۔ جب تک وہ ایک دل خوش کن توقع کے سہارے جئیں تبھی تک اچھا ہے۔ ورنہ۔ زندگی ان کے لیے مسلسل موت ہو کر رہ جائے گی۔ آہستہ آہستہ انھیں صبر آتا جائے گا۔"!

"نہیں کہوں گا!" اویس نے بڑے مضمحل لہجے میں کہا۔ اور تصویریں پھر سے لفافہ میں رکھ دیں اور روحی سے بولے۔

"رکھ آؤ تجوری میں۔"

لیکن وہ بس خالی خالی آنکھوں سے انھیں تکتی رہی اپنی جگہ سے اٹھی نہیں

دفعتہً پرویز نے دروازے پر دستک دی۔

"اویس بھائی۔ ٹیلر آپ کے کپڑے لایا ہے۔"

"اچھا۔ میں آیا۔" وہ کمرے سے چلے گئے۔

خوش خیالی آدمی کیلئے جنت مہیا کرتی ہے" شیخ نے کہا۔

روحی اب ان سے نگاہیں چار کرتے گھبرا رہی تھی۔ شرما رہی تھی گھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"یا گل پن۔ حماقت"۔ اس کی آنکھیں چھلکنے لگیں"۔ مجھے اب بھی آپ سے شکوہ ہے۔ آپ نے میری تمام گستاخیاں برداشت کرلیں اور کبھی مجھ سے یہ سب کچھ نہ کہدیا۔

دل توڑنا آدمی کو مایوس کرنا میرا شیوہ نہیں روحی"۔

"لیکن آپ اپنے دل میں سوچتے ہوں گے۔"

"میں جو کچھ سوچتا ہوں۔ وہ اگر تم پر ظاہر کردوں تو تمھیں میرے دل کی بستی میں اور اجڑے ہوئے گورستان میں کوئی زیادہ فرق معلوم نہ ہوگا۔"

اتنے خفا ہیں آپ مجھ سے؟" روحی کو صدمہ تھا آج اس کے آنسوؤں نے اپنا تاثیر کھودی تھی۔

"ہاں۔ اگر تم ایسا محسوس کرتی ہو کہ کچھ نہ کچھ حق میرا تم پر ہے تو شاید میں تم سے خفا ہوں۔" انھوں نے کہا۔ پھر بولے۔ تم نے میری شکایت کی تھی ادیس سے کم میں نے تم پر بھروسہ نہیں کیا۔ لیکن میں تمھاری شکایتیں کس سے کروں!۔

"مجھ سے!" وہ ہمت سے بولی۔

"تم سے؟" وہ اسے سنانے کیلئے طنزیہ انداز میں ہنسے" واہ شکایت اس سے کی جاتی ہے جو کوئی اپنا ہوتا ہے۔ شکایت سنتا ہے اس پر غور کرتا ہے اس کا مداوا کرتا ہے۔ جیسے تم نے اپنے بھائی سے کردی۔ اور بالآخر اپنا اطمینان کرلیا لیکن میرا کون ہے۔ مجھے سب ظالم، ستمگر، ناانصاف اور بے درد ہی ملتے ہیں جن کے سامنے درد دل کہنا اپنے درد کو سبک اور حقیر کرنا ہے۔ سمجھیں تم۔؟"

"نہیں اب کچھ مت کہیئے"۔ وہ سسک اٹھی۔

"ہاں۔ اب کہنا ہی کیا ہے"۔ شیخ نے کہا"۔ تم میں سننے کی تاب کہاں۔ دل صرف تمھارے سینے میں ہے اور تو سب دل کی جگہ پتھر لیئے پھرتے ہیں۔ تم تو شاید ادیس کے ساتھ جاؤ گی۔ پھر اب صلح صفائی کی تمھیں پرواہ ہی کیا ہے تم نے جتنے دن میرے ساتھ دکھ اور تکلیف کے گزارے ان کی معذرت۔ اور جتنے دن تم نے مجھے راحت و آرام دیا اس کا بہت بہت شکریہ۔!"

میں آپ سے کیسے معافی مانگوں " وہ بڑے بدھو پن سے روتی ہوئی بولی
اتنے خفا ہیں کہ ڈھنگ سے بولنے کے بھی روادار نہیں "

" اوہو " انھوں نے جھینپتے ہوئے لہجے میں کہا " یہ تم کہہ رہی ہو۔ ؟ کبھی تم نے میرے بھی دل میں جھانک کے دیکھا ؟ ظالم لڑکی ! اس عرصہ میں تم نے مجھے کتنا ستایا ہے۔ کبھی یہ بھی سوچا ؟ میری راتیں بے خواب میرے دن بے تاب تھے۔ کبھی تم نے پرواہ کی ؟ میں کیا چاہتا تھا تم سے ؟ کبھی تم نے اندازہ لگایا ؟ میری آنکھوں میں آنسو کیوں آتے تھے۔ میں کیوں رہ رہ کے بیمار پڑتا تھا۔ کبھی تمھیں خیال آیا۔ ؟ کبھی کوئی درد تمھارے دل میں بھی جاگا ؟ کبھی تم بھی بے خواب رہیں۔ ؟ کبھی تم نے بھی آنسو بہائے ؟ کبھی تمھیں میرا خیال آیا۔ کبھی تم نے اس نقلی بندھن کو توڑنے کی کوشش کی ؟ کبھی نہیں۔ کبھی نہیں۔ ! "

معاف کر دیجئے مجھے۔ خدا کے لئے معاف کر دیجئے " اس نے تڑپ کر ان کے سامنے ہاتھ جوڑ دئے !

ایک شرط پر معاف کر سکتا ہوں ! " انھوں نے بڑے بھاری لہجے میں کہا۔

کیا۔ ؟ روحی بیچاری ان کی گرم نگاہوں سے پگھل گئی۔

" مان جاؤ کہ میں فرضی نکاح کو اصلی نکاح میں تبدیل کر دوں۔ ! " شیخ کے لہجے میں تحکم تھا۔ روحی کی نگاہیں ان کی نگاہوں سے ملیں۔ اور نہ جانے کیسے کیسے فسانے کہہ گئیں۔

شیخ نے محبت پاش انداز میں کہا۔

" میری ہو جاؤ۔ روحی۔ میری ہو جاؤ۔ ! "

آپ ہی کی تو ہوں۔ ! وہ یکبارگی ہلکی پھلکی ہو گئی۔ اس کے سارے دکھ ... بے پایاں خوشیوں میں بدل گئے۔ !

پھر وہ بے اختیار اپنے گھٹنوں کے بل گری اور جھک کر شیخ کی آغوش میں سر رکھ دیا۔ !!!

" ختم شد "

سرابِ زندگی

ہماری زندگی سراب کے مانند ہے

جو صرف نظر کا دھوکا کہی جا سکتی ہے

سرابِ زندگی

کی کہانی ہمارے سامنے ایسی ہی ایک
مثال پیش کرتی ہے جسے پڑھ کر عبرت ہوتی ہے

سوتیلی ماں اور سوتیلے بیٹوں کے بحث پر

نسیم انہونوی

کا یہ ناول حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے ہزاروں گھرانے اس
ناول کو پڑھ کر سدھر سکتے ہیں

نسیم بک ڈپو لکھنؤ

Price 7-50